اورنگزیب عالمگیر کا عدالتی نظام

مقالہ برائے ایم فل (علومِ اسلامیہ)

نگرانِ مقالہ

محترم جناب ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

صدر شعبہ عربی

گورنمنٹ کالج فیصل آباد

مقالہ نگار

فقیر محمد

رول نمبر

A-7978271

شعبہ علومِ اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ستمبر ۱۹۹۴ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ
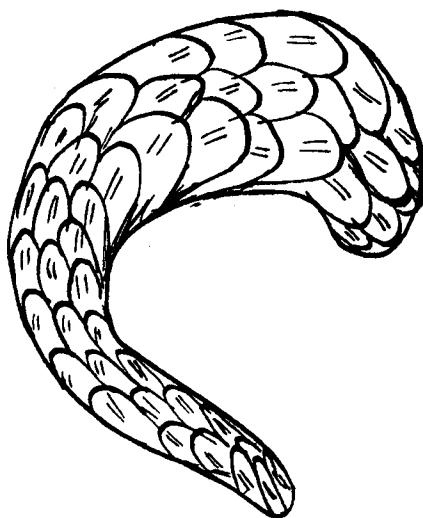
بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالہ ھذا کے عنوان کی منظوری

مقالہ ہذا کے عنوان کی منظوری علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے رجسٹرار (اکیڈمک) کیطرف سے جاری کردہ مراسلہ نمبر No F - 16/90 - Reg (Ac) Date -- 11-8-92 کے تحت دی گئی ہے۔

مقالہ نگار

فقیر محمد

ایم فل علوم اسلامیہ

رولنمبر:- A-7978271

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھدیۂ تشکر

اسلام نے اپنے ظہور سے ہی علم کو جو اہمیت دی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پورا کرۂ ارض ایک علمی انقلاب کی آماجگاہ بن گیا اور علم اپنے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ تخصصات کے دریچے وا کرتا گیا چنانچہ عصرِ رواں کو بجا طور پر تخصصات کا عہد کہا جا سکتا ہے۔

اس عہد میں دیگر شعبہ ہائے تمدن کی طرح فاصلاتی طریقہ تدریس نے ایک منظم ادارہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جنوب مشرقی ایشیا میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان فاصلاتی نظامِ تعلیم و تدریس کی نقیب ہے جو ۱۹۷۴ء میں معرض وجود میں آئی۔ چند ہی سالوں میں اس کا دائرۂ کار تعلیم و تدریس کے متعدد شعبوں پر محیط ہو گیا۔

علوم اسلامیہ کی اہمیت کے پیش نظر ۱۹۸۵ء میں اسلامک سٹڈیز کا مستقل شعبہ قائم کیا گیا جس نے بی۔ اے۔ تک اسلامک سٹڈیز کی تعلیم میں گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ایم۔ فل۔ اردو اور اقبالیات کے کورسز کا آغاز کیا تو شعبہ اسلامک سٹڈیز نے ایم۔ فل۔ علوم اسلامیہ کے کورس کا اہتمام کیا۔

جولائی ۱۹۹۱ء میں ایم۔ فل۔ علوم اسلامیہ کی تیسری ورکشاپ یونیورسٹی کیمپس اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ جہاں دیگر امور کے علاوہ عنوانِ مقالہ برائے ایم۔ فل۔ علوم اسلامیہ کے انتخاب کا مرحلہ بھی آیا۔

استاذی المکرم ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی ڈائریکٹر، انسٹی ٹیوٹ آف عریبک اینڈ اسلامک سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، نے ورکشاپ میں شامل ایم۔ فل۔ علوم اسلامیہ کے طلبہ کی توجہ اس طرف دلائی کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد

اسلامی قانون پر عمل در آمد ترک کر دیا گیا جبکہ اس تصور کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد بعض حکمرانوں سے سیاسی غلطیاں سرزد ہوئیں مگر اسلامی قانون کے نفاذ کے سلسلہ میں انھوں نے کوتاہی نہیں کی۔ عدالتوں میں اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ایم۔ فل کے طلبہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر تک تحقیق کریں کہ آیا اُن کے دور میں اسلامی قوانین کا نفاذ رہا؟

بندہ نے اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں مختلف شعبہ ہائے حیات میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا ابتدائی خاکہ بنا کر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی سے مشورہ کیا۔ انھوں نے اس میں سے "اورنگ زیب عالمگیر کے عدالتی نظام" پر تحقیق کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ مذکورہ عنوان کا خاکہ بنا کر ابتدائی منظوری کے لئے پیش کیا گیا جس کی بورڈ آف سٹڈیز نے باقاعدہ منظوری دے دی۔

من لا یشکر الناس، لا یشکر اللہ[1] کے مطابق میں اپنے اُن محسنین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مقالہ ھذا کی تیاری میں بندہ کی بھرپور اعانت فرمائی اور قدم قدم پر مفید مشوروں سے نوازا۔ بندہ سب سے پہلے ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی اور ممبران بورڈ آف سٹڈیز شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کا ممنون ہے جنھوں نے بندہ کو مقالہ لکھنے کی منظوری عنایت کی۔ میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے انتخابِ عنوان اور اس کے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے سلسلہ میں بھرپور تعاون کیا اور اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکال کر مقالے کی تیاری میں رہنمائی فرمائی اور میرے تحریر کردہ مواد کو توجہ سے پڑھ کر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور مقالے کو جامع بنانے میں قدم قدم پر میری اصلاح فرمائی۔ اُن کی مشفقانہ رہنمائی اور توجہ کے سبب یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

---

[1] محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۵ء، ابواب البر والصلہ، ج ۲، ص ۱۷

اس مقالے کی تیاری کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا

۱۔ مین لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور
۲۔ لائبریری شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور
۳۔ قائد اعظم لائبریری جناح باغ لاہور
۴۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور
۵۔ لائبریری دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور
۶۔ لائبریری گورنمنٹ کالج فیصل آباد
۷۔ لائبریری شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد
۸۔ علامہ اقبال لائبریری ڈسٹرکٹ کونسل ہال فیصل آباد
۹۔ لائبریری اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد
۱۰۔ لائبریری دار التحقیق گٹی فیصل آباد
۱۱۔ لائبریری جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد
۱۲۔ لائبریری گورنمنٹ اسلامیہ کالج چنیوٹ
۱۳۔ لائبریری قاری محمد اقبال فتح آباد فیصل آباد
۱۴۔ لائبریری مولانا قاری لیاقت علی نور پور فیصل آباد
۱۵۔ لائبریری پروفیسر رشید محمد قمر سراجیہ مسجد فیصل آباد
۱۶۔ لائبریری مولانا احمد علی سندھیلی لاہور

میں ان تمام لائبریریوں کے عملے کا مشکور ہوں جنھوں نے فراہمی کتب میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں پروفیسر افتخار احمد چشتی سابق صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج فیصل آباد، پروفیسر رشید محمد قمر مرحوم گورنمنٹ کالج فیصل آباد (جن کا ۵ جولائی ۱۹۹۴ء کو وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے) پروفیسر محمد نواز چوھدری سابق صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج فیصل آباد، پروفیسر آغا محمد سلیم پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد شاکر، پروفیسر منظور احمد سیالوی شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد، پروفیسر منور ابن صادق ادارہ تعلیم وتحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور، جناب ظفر اقبال کمبوہ ایڈووکیٹ جناب محمد صدیق رندھاوا ایڈووکیٹ فیصل آباد بار اور حکیم محمد سلیم چشتی سابق پرنسپل طبیہ کالج فیصل آباد کا انتہائی شکر گزار ہوں جنھوں نے مقالہ کی ترتیب و تدوین میں مفید مشوروں سے نوازا۔ میں پروفیسر قاری محمد اقبال صدر شعبہ علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کا بھی ممنون کرم ہوں جن کی ہمت افزائی میرے لئے بانگِ درا سے کم نہ تھی۔ ان کے بھرپور تعاون سے یہ عظیم اور مشکل کام مجھ پر آسان ہوگیا۔ ان کے علاوہ پروفیسر محفوظ احمد کا بھی ممنونِ احسان ہوں۔

غرض کہ میں جملہ محسنین کی شفقت وھمدردی کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کرتا ہوں۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزا فی الدنیا والاخرۃ ٥ میں اس خدائے بزرگ وبرتر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے اس ناچیز کو تحقیقی کام کرنے کی توفیق بخشی اور مقالے کے تکمیل کے مراحل سے گزار کر سرخرو فرمایا۔

بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۹۴ء
بمطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

فقیر محمد چشتی
گورنمنٹ کالج فیصل آباد

فہرست مضامین

باب	مضمون	صفحہ

باب	مضمون	صفحہ
	دیوانِ قضا	۵۵
	عدالت صوبہ	۵۶
	عدالت برائے اپیل	۵۶
	عالمگیر سے قبل عہدِ مغلیہ میں نظام عدالت	۵۷
	شاہی عدالت	۵۸ تا ۶۱
	عدالتِ امورِ مذہبیہ	۶۲ تا ۶۳
	رواجی قانون کی عدالت	۶۴ تا ۶۵
باب سوم	**اسلامی نظام عدل کے قیام میں اورنگزیب عالمگیر کی جدوجہد**	
فصل اول	**فتاوی عالمگیری کی تدوین**	۶۶ تا ۷۸
	اورنگ زیب عالمگیر کی ولادت اور کردار	۶۶ تا ۶۸
	فتاوی عالمگیری کا پس منظر	۶۹ تا ۷۱
	فتاوی عالمگیری کی تدوین میں عالمگیر کی شرکت	۷۲
	فتاوی عالمگیری کے مضامین و ماخذ	۷۳ تا ۷۴
	فتاوی عالمگیری کا مقام	۷۴
	فتاوی عالمگیری کی خصوصیات	۷۵ تا ۷۶
	مقام مؤلفین	۷۷ تا ۷۸
فصل دوم	**عالمگیر کا نظام احتساب**	۷۹ تا ۹۲
	احتساب کا لغوی مفہوم	۷۹

باب	مضمون	صفحہ

باب	مضمون	صفحہ

باب	مضمون	صفحہ
باب پنجم	**خلاصۃ البحث، تنقیدی جائزہ، سفارشات**	**۱۵۴ تا ۱۷۵**
	خلاصۃ البحث - - - - - - - - - - -	۱۵۴ تا ۱۶۴
	اورنگ زیب کے عدل اور نظامِ عدل کا تنقیدی جائزہ	۱۶۵ تا ۱۶۹
	سفارشات - - - - - - - - - - -	۱۷۰ تا ۱۷۵
	مصادر و مراجع - - - - - - - - - - -	۱۷۶ تا ۱۸۵

دیباچہ

موضوع کی اہمیت

گزشتہ چند سالوں سے مختلف بلاد اسلامیہ میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ انتہائی مبارک اور قابل تحسین ہیں۔ یہ کوششیں اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ مسلمان ممالک ایک عرصہ تک انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو آزمانے کے بعد اب یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ معاشرہ میں سے جرم کے قلع قمع اور امن وامان کی فراوانی کے لئے مسلمانوں کا اسی سرچشمۂ ہدایت کی طرف لوٹنا ضروری ہو گیا ہے جس کو اپنا کر مسلمانوں نے بہت ہی قلیل عرصے میں اپنے اخلاق و کردار اور عدل و انصاف کا لوہا منوانے کے بعد اس کرۂ ارض کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں بسنے والے ہر بنی نوع آدم کے دل و دماغ پر حکومت کی اور دنیا بھر میں اسلام کی شمع روشن کی۔ اس بنا پر ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے عدالتی نظام کو اپنا کر مسلمان ممالک دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمان حکمرانوں کا اسلامی قانون پر عمل درآمد نہ رہا۔ حالانکہ اور کچھ ان مسلمان حکمرانوں کے دور میں تھا یا نہ تھا مگر اسلامی قانون کے ساتھ وفاداری رہی اور عدالتوں میں اسلام کا قانونِ عدل نافذ رہا۔ بہرحال مسلم سلاطین کے بارے میں اُن کے ذاتی کردار کے بارے میں شکایت ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے مالی معاملات میں بھی اُن سے غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن قانونِ عدل کی حد تک ہر حکومت اس کا نفاذ کرتی رہی بقول مولانا مناظر احسن گیلانی، حکمران بدلنے سے عدل پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔[1]

---

[1] مقالات احسانی، ادارہ مجلس علمی کراچی، ۱۹۵۹، ص ۷۶

اسلام دشمن عناصر کی طرف سے یہ خیال بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ اسلامی قانون عصرِ رواں کے تقاضے
پورے نہیں کرتا۔ یہ قانون اُس وقت کے عرب معاشرے کے لئے تو موزوں تھا مگر اب پاکستان کے لئے
مناسب نہیں ہے چونکہ حالات کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ خیال بھی مسلمانوں کے اذہان
میں بٹھانے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے کہ شریعت اسلامی کی مقرر کردہ سزائیں سخت ہیں اور
موجودہ دور کے "مہذب" انسان کے لئے تجویز کرنا مناسب نہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ حالانکہ ایسی
بات نہیں ہے اسلامی قانونِ عدل موجودہ دور کے تقاضے بدرجہ اتم پورے کرتا ہے۔ مجرم کو سزا
دینے سے قبل مکمل احتیاط برتی جاتی ہے تاکہ کوئی معصوم سزا کا مستوجب نہ ہونے پائے لیکن اگر جرم ثابت
ہو جائے تو مجرم کو سزا دینے کے لئے ایسا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے کہ وہ باقی معاشرے کے لئے باعث عبرت ہو
اسلام کی شرعی سزاؤں کے نفاذ کا نتیجہ ہے کہ سعودی عرب میں لاکھوں ریال کے ساتھ بلاخوف وخطر
سفر کیا جا سکتا ہے مگر امریکہ میں ہزاروں ڈالر کے ساتھ سفر کرنا خطرناک نتائج کا حامل ہوتا ہے
دور نہ جائیے ماضی قریب میں اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں اسلام کا نظامِ عدل پوری قوت
سے رائج رہا جس کی برکت سے سارا ملک خوشحال ہو گیا اور امن و استقرار کا گہوارہ بن گیا۔
انسانیت کو وحشت و بربریت سے نجات مل گئی اور رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی۔
مگر پاکستان کی عدالتوں میں اسلامی نظامِ عدل کے نفاذ کی عدم موجودگی کے سبب کسی کی جان و مال اور
عزت و آبرو محفوظ نہیں۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کئی کئی سالوں تک چلتے رہتے ہیں۔ بے گناہ قیدی
دار و رسن کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ انصاف ملے بھی تو قیمتاً ملتا ہے
یہ حالات اسلامی عدل کے سراسر منافی ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ عدل کے بارے
میں کوئی تحقیقی کام کیا جائے جس سے بعض ذہنوں پر چھائے ہوئے شکوک و شبہات بھی دور ہوں اور
اسلامی نظامِ عدل کے نفاذ کی عملی صورت بھی سامنے آئے تاکہ پاکستان کے عدالتی نظام کی اصلاح میں استفادہ
کیا جا سکے۔ اسی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ ماضی قریب میں اورنگ زیب عالمگیر
کے "عدالتی نظام" کو موضوعِ بحث بنایا جائے۔

موضوع کی مختصر تاریخ

"اورنگ زیب عالمگیر کے عدالتی نظام" کے موضوع پر راقم الحروف کے علم کی حد تک کوئی کتاب مارکیٹ میں میسر نہیں ہے البتہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں لکھی گئی تاریخی کتب میں عدل پر مبنی واقعات کہیں کہیں ملتے ہیں۔ محمد ساقی مستعد خان نے مآثر عالمگیری میں، خافی خان نے منتخب اللباب میں، محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں اور بختاور خان نے مرآۃ العالم میں عالمگیر کے عدل وانصاف کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ مذکورہ کتب میں عالمگیر کے عدالتی نظام اور عدالتی طریق کار کی منضبط تاریخ نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ عالمگیری دور کے غیر ملکی سیاحوں اور مورخوں نے اپنے سفرناموں اور تاریخوں میں کہیں کہیں عالمگیر کی شاہی عدالت اور قاضیوں کی عدالتوں کی کارروائی کو قلمبند کیا ہے۔ مشہور سیاح برنیئر نے اپنے سفرنامے "Travels in the mughal Empire" میں، نکولا منوچی نے اپنے سفرناموں "Travels through Mughal India" اور "storia do mogor" میں اور ڈاکٹر جیملی کریری نے اپنے سفرنامے "Voyage round the World" میں عالمگیر کی عدالتی کارروائیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کہیں کہیں قاضیوں کے فیصلوں کو بھی تحریر کر دیا ہے۔ مذکورہ کتب میں عالمگیر کے عدالتی نظام کو باضابطہ طور پر بیان نہیں کیا گیا۔

البتہ محمد بشیر احمد نے اپنی کتابوں "Judicial System of Mughal Empire" میں، واحد حسین نے اپنی کتاب "The Administration of Justice in Medieval India" میں اور محمد اکبر نے "Administration of Justice during the Muslim Rule in India" میں اور "Administration of Justice by the Mughal" میں مغلیہ دور کے عدالتی نظام کو منضبط طور پر بیان کیا ہے۔ ان میں اورنگ زیب عالمگیر کے عدالتی نظام کا بھی کہیں کہیں تذکرہ کیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ علوم اسلامیہ میں ۱۹۸۷ء میں ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ کی طالبہ ریحانہ پروین نے اس موضوع پر اپنا مقالہ بنام " اورنگ زیب عالمگیر کا نظامِ عدالت " سپرد قلم کیا اس میں صرف ایک باب میں اورنگ زیب عالمگیر کے نظام عدالت کو بیان کر کے آئندہ تحقیق کی بنیاد رکھ دی ہے۔ موصوفہ نے عالمگیر کے عدالتی نظام کو مجموعی حیثیت سے بیان کیا ہے مگر راقم الحروف نے عالمگیر کے عدالتی نظام کو دیوانی اور فوجداری نظام کی حیثیت سے دو الگ الگ فصول میں بیان کیا ہے۔ بندہ نے مختلف کتابوں میں منتشر مواد کو ایک نئی جہت سے مرتب کرنے کی سعیٔ بلیغ کی ہے۔ مقالہ سے حاصل شدہ نتائج کو خلاصہ بحث کی صورت میں الگ درج کر دیا ہے۔ عالمگیر کے عدل اور عدالتی نظام کا نہایت اختصار سے تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور آخر پر اسلامی نظام عدل اور عالمگیر کے عدالتی نظام کی روشنی میں سفارشات مرتب کی گئی ہیں جس سے بالعموم اسلامی ممالک اور بالخصوص پاکستان کے عدالتی نظام کی اصلاح کے لئے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بندہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ ایک ماہرِ قانون، تاریخ پر نظر رکھنے والے اور اسلامی علوم میں مہارت رکھنے والے کے لئے اس موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا مقالہ لکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس کے علاوہ عدل و انصاف کی جہت سے اورنگ زیب عالمگیر پر ہونے والے اعتراضات کے ناقدانہ جائزہ پر بھی مقالہ رقم کیا جاسکتا ہے

اہم مراجع کا تعارف

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں سرکاری زبان فارسی تھی اس لئے عالمگیر کے متعلق بنیادی ماخذ کی کتب فارسی زبان میں مسلم معاصرین کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ غیر مسلم معاصرین کے وہ سفرنامے ہیں جن میں انھوں نے عالمگیر کے عدل و انصاف کے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں۔ اس طرح راقم نے مقالے کی تیاری میں جن مراجع و مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ ان کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۔ مسلم معاصرین کی کتب

۲۔ غیر مسلم معاصرین کے سفرنامے

۳۔ بعد میں لکھی جانے والی کتب

اب چند اہم مراجع کا تعارف پیش کیا جاتا ہے :-

۱۔ الاحکام السلطانیہ

یہ الماوردی کی عربی زبان میں لکھی ہوئی اسلام کے سیاسی دستور پر بنیادی ماخذ کی کتاب ہے۔ اس میں اسلامی ریاست کے بنیادی اصول اور آئین حکمرانی بیان کر دیئے گئے ہیں یہ کتاب شرکۃ مکتبہ و مطبعۃ مصطفیٰ قاہرہ مصر کی جانب سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی اس کا اردو ترجمہ بھی ۱۹۸۸ء میں ادارۂ اسلامیات لاہور کی جانب سے چھپ چکا ہے ترجمہ محمد ابراہیم ایم۔ اے۔ نے کیا ہے۔

۲۔ مآثر عالمگیری

اس کا مصنف محمد ساقی مستعد خاں ہے۔ عالمگیر کے بارے میں یوں تو کئی تواریخ ملتی ہیں لیکن مآثر عالمگیری کو جو ممتاز مقام حاصل ہے وہ کسی دوسری تاریخ کو حاصل نہیں اس لئے کہ مصنف ایک ایسا شخص ہے جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اورنگ زیب کے ساتھ گزارا اور اس کی شخصیت و کردار کا گہرا مطالعہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان میں لکھی ہوئی یہ تاریخ اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی کی صحیح تصویر ہے اور اس کے پچاس سالہ دور کی جامع اور مستند تاریخ بن گئی ہے۔ عالمگیر کے آخری چالیس برس کے حالات اس نے خود لکھے ہیں اور ابتدائی دس برس کے حالات "عالمگیر نامہ" مصنفہ مرزا محمد کاظم سے اخذ کئے ہیں۔ یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ بنگال سے ۱۸۷۱ء میں چھپی۔ اس کا اردو ترجمہ محمد فدا علی طالب نے کیا جو نفیس اکیڈمی کراچی کی طرف سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔

۳۔ منتخب اللباب

اس کتاب کا مصنف ہاشم علی خان المعروف بہ خافی خان ہے۔ فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب عہد عالمگیری کی ایک اہم تاریخ ہے۔ اس میں مغل سلطنتِ ہند کے بانی ظہیر الدین بابر (۱۵۲۶ء) سے لیکر محمد شاہ بادشاہ کی تخت نشینی (۱۷۱۹ء) تک کے حالات و حوادث درج ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل عہد عالمگیری از ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۸ء تک دی گئی ہے۔ یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی طرف سے ۱۸۶۹ء میں دو جلدوں میں چھپی۔ دوسری جلد عالمگیر کے حالات پر مشتمل ہے۔ محمود احمد فاروقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے نفیس اکیڈمی کراچی نے ۱۹۷۶ء میں تین جلدوں میں چھپوایا ہے۔ اس کا حصہ سوم عالمگیر کے حالات پر مشتمل ہے۔

۴۔ عالمگیر نامہ

اس کتاب کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اس کے مصنف مرزا محمد کاظم شیرازی ہیں۔ عالمگیر کے درباری مورخین کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ وقائع نویسوں اور اخبار نویسوں کے علاوہ صرف ایک درباری مورخ منشی محمد کاظم تھا۔ جس نے عالمگیر کی حکومت کے دس سال واقعات عالمگیر نامہ میں لکھے ہیں ابھی وہ دس سال کے واقعات لکھنے پایا تھا کہ عالمگیر نے دربار کے محکمہ تاریخ نویسی کو بالکل ختم کر دیا۔ بقول صباح الدین عبد الرحمن مرزا محمد کاظم عہد سلطانی کے بیشتر واقعات اس وجہ سے قلم بند نہ کر سکے کہ بادشاہ باطنی آرائش کے مقابلہ میں ظاہری نمود و نمائش کو ہیچ تصور فرماتے تھے اس لئے مرزا محمد کاظم کو عہد معدلت کے حالات لکھنے سے منع کر دیا گیا۔[1]

یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ نے ۱۸۶۸ء میں چھپوائی۔

---

[1] بزم تیموریہ، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء، ص ۲۸۹

5-Travels in the Mughal Empire

یہ کتاب ایک فرانسیسی سیاح برنیئر کا سفرنامہ ہے۔ اس کا ترجمہ آرچی بالڈ نے انگریزی زبان میں کیا۔ برنیئر ہندو پاک کے رسم و رواج کا فرانس کے رسم و رواج سے موازنہ کرتا ہے اور فرانس کی رسوم کو ہند کی رسوم پر فوقیت دیتا ہے۔ برنیئر عالمگیر کی عدالت کا چشم دید گواہ ہے اس لئے اس کا سفرنامہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مذکورہ سفرنامہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس بمبئی سے ۱۹۳۴ء میں چھپا

6- Storia Do Mogor

نکولا منوسی نے یہ سفرنامہ عالمگیر کے دور میں لکھا۔ ڈبلیو اِروِن نے اس کی از سرِ نو تدوین کی ہے۔ یہ کتاب بھی اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن بقول محمد بشیر احمد اس کے حوالہ جات کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ موصوف ہر سنی سنائی بات پر اعتبار کرنے کا رجحان رکھتا ہے۔[1] یہ سفرنامہ ۱۹۰۷ء میں جان مرے سٹریٹ لندن سے شائع ہوا۔

7 Central Structure of the Mughal Empire

مغلیہ دور کے مرکزی انتظام سلطنت کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ابن حسن کی لکھی ہوئی یہ کتاب مستند اور معتبر حیثیت کی حامل ہے۔ موصوف نے اس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ مصنف نے آخر میں مرکزی عدالتی نظام کو بھی مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس میں بنیادی ماخذوں کی طرف رجوع کیا ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس بمبئی کی جانب سے ۱۹۰۷ء میں شائع کی گئی۔ عبدالغنی نیازی نے "مغلیہ سلطنت کی ہیئت مرکزی" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اس کتاب کو ۱۹۵۸ء میں مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور کی جانب سے شائع کیا گیا۔

---

[1] Judicial system of the Mughal Empire, P. 32

8. Judicial System of the Mughal Empire

محمد بشیر احمد کی یہ کتاب مغلیہ سلطنت کے عدالتی نظام کے بارے میں ایک قابلِ قدر اور مفید کوشش ہے۔ پاک ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی جانب سے اسے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا گیا۔

اس مقالے کو جامع و مانع بنانے کی اپنی حد تک پوری کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ مجھ جیسے کم علم اور کم فہم کے لئے عنوان ھذا پر مقالہ لکھنا بہت مشکل کام تھا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نظرِ عنایت سے جو کام جولائی ۱۹۹۲ء میں شروع کیا گیا تھا وہ کام ستمبر ۱۹۹۲ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

مقالے کی تیاری میں حتی الامکان بنیادی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ثانوی ماخذ سے بھی سہارا لیا گیا ہے۔ مقالے میں مسجّع و مقفّع عبارت کی بجائے سادہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ فقیر کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اگر بندہ ناچیز سے کہیں لغزش واقع ہوئی ہو تو ازرہِ کرم اس کی معافی عطا فرمائے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

فقیر محمد

گورنمنٹ کالج فیصل آباد

باب اول

اِسلام کا تصوّرِ عدل

فصل اوّل — مبادیاتِ عدل

(ا) عدل کی اہمیت

(ب) عدل کا لغوی مفہوم

(ج) لغوی مفاہیم میں قدرِ مشترک

(د) اصطلاحی مفہوم

(ر) لغت و اصطلاح میں مطابقت

(ہ) اسلامی ادب میں عدل کا مفہوم

(و) تصورِ عدل قرآن مجید کی روشنی میں

(ز) تصورِ عدل حدیث شریف کی روشنی میں

باب اوّل

فصل اوّل مبادیاتِ عدل

عدل کی اہمیت

حکومت کا نظام شخصی ہو یا جمہوری، اس کی بنیادیں عدل و انصاف ہی سے محفوظ ہوا کرتی ہیں۔ آغاز انسانیت سے آج تک اسی اصول کی بالادستی دیکھنے میں آئی ہے۔ جب عدل کے ضابطے امیر وغریب اور حاکم ومحکوم کے حوالے سے متعین ہوئے تو بڑی بڑی مضبوط حکومتوں کو بھی جلد زوال کے دن دیکھنے پڑے۔ عدل کے بغیر حکومت ہی کیا، کائنات کا نظام بھی برقرار نہیں رہ سکتا۔ جس طرح جسم میں روح، پھول میں خوشبو اور شمع میں روشنی کی اہمیت ہے اسی طرح معاشرے کو برقرار رکھنے میں عدل کی اہمیت ہے۔

اسلام ظلم و استحصال سے پاک معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے ایک جامع اور مربوط نظامِ عدل رکھتا ہے جس پر عمل کرنے سے معاشرے میں امن وامان اور خیر وبرکت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں قضا کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اس کو مملکت اسلامیہ کا اولین فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

عدل خداوندِ کریم کا حکم ہے اور خدا تعالیٰ ہی کا قانون اسلامی عدالت کا دستور ہے۔ جملہ فیصلہ طلب معاملات میں حاکمِ عدالت کے فیصلے اور اجتہاد کا مرجع قانونِ الٰہی ہے اسلامی نظامِ عدالت کی رُو سے تمام افرادِ معاشرہ قانون کی نظر میں یکساں ہیں۔ امیر کو غریب پر کوئی ذاتی برتری حاصل نہیں۔ اسلامی نظامِ عدالت کی ذمہ داری اس مساوات کی بقا کو تحفظ مہیا کرنا ہے۔ اسلام کا تصورِ عدل واضح کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عدل کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے

۲

عدل کا لغوی مفہوم

عدل کے لغوی معانی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"العدالة والمعادلة لفظ یقتضی معنی المساواة ویستعمل باعتبار المضائفة، والعَدْل والعِدْل یتقاربان، لکن العَدل یستعمل فیما یدرک بالبصیرة کالاحکام، وعلی ذلک قوله (اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا)[۱] ... فان العدل هو المساواة فی المکافاة ان خیرا فخیر وان شرا فشر"[۲]

یعنی عدل العدالة والمعادلة سے ہے۔ اس میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا اور عَدْل و عِدْل کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عَدْل کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے احکام شرعیہ، چنانچہ اسی معنی میں فرمایا "اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا" یا اس کے برابر روزے رکھنا ... پس بے شک عدل مکافاتِ عمل میں مساوات ہے۔ بھلائی کے بدلے بھلائی اور برائی کے بدلے برائی اور عِدْل حسی چیزوں میں برابری کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ ابن منظور عدل کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے و العِدْل: نصف الحمل یکون علی احد جنبی البعیر"[۳] یعنی اونٹ کے دونوں طرف لادا جانے والا بوجھ جو بالکل برابر ہوتا ہے ان میں ہر ایک حصہ عِدل کہلاتا ہے۔

عربوں کے ہاں جب کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کو وہ عِدل سے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ عدل افراط و تفریط کی عدم موجودگی کا نام ہے۔ عدل میں ظلم کا شائبہ نہیں ہوتا

عدل کے معنی کے سلسلہ میں صاحب قاموس فیروز آبادی رقمطراز ہیں:

"العدل: ضد الجور وما قام فی النفوس انه مستقیم"[۴] یعنی عدل ظلم کی ضد ہے

---

[۱] المائدہ: ۹۵ [۲] علامہ راغب اصفہانی: ابی القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، قدیمی کتب خانہ کراچی (س-ن) ص ۳۲۵

[۳] ابن منظور، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، ج ۱۱، ص ۴۳۲م

[۴] محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الجیل، بیروت، ۱۹۵۲، ج ۴، ص ۱۳

جس کا درست ہونا دلوں میں بیٹھ جائے۔ عدل حکم میں برابری کے معنوں میں بھی۔ چنانچہ ابن فارس کے بقول:

"والعدل، الحکم بالاستواء ویقال للشیئ یساوی الشیئ ھو عدلہ ...
والعدیل، الذی یعادلک فی المحمل" [۱]

یعنی عدل برابری کے ساتھ حکم ہے اور اس چیز کو جو دوسری چیز کی برابری کرے اسے عدل کہا جاتا ہے ... عدیل وہ ہے جو محمل میں تجھے متوازن کر دے۔ عدل میں کسی طرف ناجائز جھکاؤ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن منظور بیان کرتا ہے: "وفی اسماء اللہ سبحانہ، العدل، ھو الذی لایمیل بہ الھوی فی الحکم" [۲] یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک اسم عدل بھی ہے، وہ ذات جو نفسانی خواہش کا میلان نہیں رکھتی کہ فیصلے میں ظلم کرے۔

لغوی مفاہیم میں قدر مشترک

عدل کے لغوی مفہوم میں اشیاء کا ہم وزن اور برابر ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح عدل حکم میں برابری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عدل میں افراط و تفریط موجود نہیں ہوتا احکامِ عدل میں کسی طرف ناجائز جھکاؤ نہیں پایا جاتا۔ الغرض عدل کا لفظ دونوں اطراف کے برابر رکھنے اور ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

---

[۱] احمد بن فارس بن ذکریا، معجم مقاییس اللغۃ، مرکز النشر مکتب الاعلام الاسلامی، طہران، ۱۴۰۴ھ، ج ۴، ص ۲۴۶-۲۴۷

[۲] ابن منظور: جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، ج ۱۱، ص ۴۳۵

اصطلاحی مفہوم

فتاویٰ عالمگیری میں قاضی کے ادب کے سلسلہ میں عدل کی یوں تعریف کی گئی ہے:

"و ادب القاضی التزامہ لما ندب الیہ الشرع من بسط العدل و دفع الظلم و ترک المیل و المحافظۃ علی حدود الشرع و الجری علی سنن السنۃ ۔۔۔ والاصل ان القضا فریضۃ محکمۃ و سنۃ متبعۃ قد باشرہ الصحابہ والتابعون و مضی علیہ الصالحون"[1]

یعنی قاضی کا ادب یہ ہے کہ جس کو شرع نے اچھا کہا ہے کہ عدل کو پھیلانا اور ظلم کو دور کرنا اور حق سے تجاوز نہ کرنا اور حدود شرع کی حفاظت کرنا اور سنت طریقہ پر چلنا اختیار کرے قضا ایک ایسا فریضہ ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے اور ایسی سنت ہے جس کی پیروی ضروری ہے اس سنت کو صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اختیار کیا ہے اور صالحین نے اسی راستہ کو اپنایا ہے۔ ابن عرنوس لکھتا ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ ادارے کی طرف سے کتاب و سنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے اور مقدمات کے فیصلے کرنے کا نام قضا ہے[2]

قرآن و سنت کی روشنی میں جو فیصلے کئے جائیں گے وہ عدل ہی کے ضمن میں آتا ہے۔ ابن عرنوس کی تعریف گویا اصطلاحی مفہوم کی عکاس ہے۔ اس میں ایک قاضی کے منصب کار اور اس کے فریضہ کی ادائیگی کے واجبات کو دینی تناظر میں طے کرتے ہوئے، اس پر عائد شرعی ذمہ داری کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، نورانی کتب خانہ، قصہ خوانی بازار پشاور (س۔ن) ج ۳، ص ۳۰۶

[2] محمود بن محمد بن عرنوس، تاریخ القضاء فی الاسلام، المطبعۃ المصریہ قاہرہ، ۱۹۳۴ء، ص ۳۱

مذکورہ تعریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکام کا لوگوں کے نزاعی معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، معاشرہ کے ہر فرد کو اس کا پورا پورا حق دینا اور مستحقین کو بلا کم و کاست حقوق کا ادا کرنا عدل کہلاتا ہے۔ ابن خلدون کے بقول:

" منصب الفصل بین الناس فی الخصومات حسما للتداعی وقطعا للتنازع "[1]

یعنی عدل سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے جھگڑوں کا اس طرح فیصلہ کرنا کہ تنازعات کی جڑ ہمیشہ کے لئے کٹ جائے۔ مگر فیصلے کے لئے لازمی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے حاکم کا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان مساوات برتنے، کسی طرف مائل نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کو عدل کہا ہے۔[2] اس سے واضح ہوتا ہے کہ حاکم عدالت اگر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرے گا یا کسی فریق کی بیجا رعایت کرے گا یا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کسی مقدمے کا اپنی نفسانی خواہش سے فیصلہ کرے گا تو وہ فیصلہ عدل کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

بقول سید شمیم حسین قادری سابق چیف جسٹس، عدل میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آجاتے ہیں۔ ادائیگی حق کے لئے ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ مظلوم کی حمایت میں ظالم کے خلاف گواہی دینے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ مقدمہ کے فریقوں کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے مقدمہ کی تحقیق میں پوری کوشش کر کے فیصلہ دیا جائے۔[3]

اس تعریف کی رو سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن و تناسب قائم رکھنے کا نام عدل ہے

---

۱ ابن خلدون: عبد الرحمن بن محمد (م ۸۰۳ھ)، مقدمہ، دار و مکتبۃ الہلال للطباعۃ، بیروت ۱۹۸۳ء، باب سوم، فصل اکتیس، ص ۱۶۷

۲ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، اشاعت العلوم حیدر آباد دکن (س۔ن) ج ۵، ص ۱۱

۳ شمیم حسین قادری، سید، اسلامی ریاست، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۸۲ء ص ۲۳۸

لغت و اصطلاح میں مطابقت

عدل جیسی چیزوں میں برابری کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ عدل احکام شرعیہ میں برابری قائم رکھنے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن و تناسب قائم رکھنے کا نام عدل ہے۔ گویا کائنات کی تمام اشیاء اور ہر ذی روح کے حقوق کو متوازن و متناسب رکھنے کا نام عدل ہے۔

اسلامی ادب میں عدل کا مفہوم

دین اسلام کے افکار کی روشنی میں انسانی زندگی ایک جامع وحدت کی حیثیت رکھتی ہے جس کے مختلف عناصر باہم مربوط و ہم آہنگ ہیں اور ہر دائروں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اسلام کے نزدیک زندگی کی حقیقی قدریں بہ یک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی، دونوں میں تفریق درست نہیں۔ انسانی زندگی کی مادی اور معنوی اقدار میں توازن و اعتدال پیدا کرنا عدل کہلاتا ہے۔ عدل ظلم کے برعکس معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مطابق جس کام کو جیسا ہونا چاہیے، ویسا ہی سرانجام دینا عدل کہلاتا ہے۔ کائنات میں انسان کا اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے ساتھ اعتدال قائم رکھنا عدل کے ضمن میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد کرم شاہ عدل کے وسیع تر مفہوم کے بارے رقمطراز ہے:

عدل عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق میں میانہ روی کا نام ہے۔ ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اعتدال کا راستہ اختیار کرنا عدل کہلاتا ہے۔[1]

1۔ محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۳۹۹ھ ج ۲، ص ۵۹۶

اسلامی ادب میں معاشرے کے ہر فرد کو اس کا پورا پورا حق دینے کا نام عدل ہے۔ کائنات کی ہر شے کے ساتھ درست رویہ اختیار کرنا عدل ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے عدل کا مفہوم اس طرح پیش کیا ہے کہ عدل دو مستقل چیزوں پر مبنی ہے پہلا یہ کہ تمام حقوق انسانی کے سلسلہ میں افراد معاشرہ کے درمیان توازن و تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بلا رو رعایت دیا جائے۔[1]

کسی معاشرہ کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا عدل پر مبنی ہے کسی مخلوق خدا کی حق تلفی نہ ہو۔ ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے۔ قانون سب کے لئے ایک ہو۔ بادشاہ ہو یا گدا، خلیفہ ہو یا ایک معمولی کارکن، صدر مملکت ہو یا چپراسی، آجر ہو یا اجیر، سرمایہ دار ہو یا مزدور، کسی کو کسی دوسرے پر برتری و سبقت حاصل نہ ہو۔ قانون کے سامنے سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوں اپنے دنیاوی جاہ و مرتبہ کے بل بوتے پر مدعا علیہ کسی رعایت کا مستحق نہ ہو۔ میاں عبدالرشید کالم نگار "نورِ بصیرت" کے الفاظ میں عدل کائنات کے نظام کی بنیاد ہے۔ ہر معاملہ میں خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو یا دوسروں سے، عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ نہ اپنی بے جا رعایت کی جائے اور نہ دوسروں کی۔ جب بھی کسی کی بے جا رعایت ہوگی تو دوسرے کی حق تلفی ہوگی۔[2]

ڈاکٹر منیر احمد مغل عدل کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کسی چیز کو صحیح طریقے سے صحیح جگہ پر صحیح وقت پر سرانجام دینے کا نام عدل ہے[3]

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۹ء، ج ۲، ص ۵۶۵

[2] میاں عبدالرشید، نورِ بصیرت، روزنامہ نوائے وقت، ۳ جنوری ۱۹۹۳ء

[3] منیر احمد مغل، ڈاکٹر، اسلامی نظامِ عدل کی خصوصیات، نوائے وقت ۲۷ مئی ۱۹۹۲ء

افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرنا اور اپنے ظاہر و باطن کو ایک جیسا کرنا عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مکمل تعمیل اور اس کی طرف کردہ ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب، اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عدل ہے اور اپنے نفس کو بلا ضرورت امتحان اور آزمائش میں نہ ڈالنا نفس کے ساتھ عدل ہے۔ اخلاق فاضلہ کی پابندی اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنا بھی عدل ہے[1]

بقول سید عبد الرحمن بخاری عدل یہ ہے کہ جو کچھ ہم سوچیں، کہیں یا کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے قرآن کریم میں عدل کے قریب المعنی الفاظ قسط وسط، اعتدال، قسطاس، مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں[2]

عدل اور قسط دونوں کے معنی انصاف کے ہیں۔ عدل دو آدمیوں کے درمیان ایک جیسا سلوک کرنے کے معنوں میں آتا ہے جبکہ قسط دوسرے کے حقوق و واجبات کا پورا پورا ادا کرنا ہے۔ قسط میں دوسرے کے ساتھ تقابل کا سوال نہیں ہوتا۔[3] قسط عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آتا ہے بلا رو رعایت ہر کسی کا حق دیا جائے اور کسی کو انصاف کے خلاف دبایا نہ جائے۔[4] عدل اور اعتدال میں توسط کا مفہوم پایا جاتا ہے جبکہ قسطاس، مستقیم اور تقدیر میں برابری، میانہ روی اور درست اندازے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۱۔ عرفان حسن صدیقی، عدل، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۳، ص ۲۵

۲۔ اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، منہاج، اسلامی نظام عدل نمبر جنوری تا ۱۹۸۴ء، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ص ۹

۳۔ پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام لاہور، ۱۹۸۱، ج ۳، ص ۱۳۵۸

۴۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۵ء، ج ۷، ص ۹۸۴

عدل کی اقسام

علامہ راغب اصفہانی نے عدل کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں :-

۱۔ عدلِ مطلق ۲۔ عدلِ شرعی

۱۔ عدلِ مطلق

وہ عدل جو عقلاً مستحسن ہوتا ہے یہ نہ منسوخ ہوتا ہے اور نہ زیادتی کے ساتھ متصف

جیسے جو احسان کرے اس کے ساتھ احسان کرنا اور جو تکلیف نہ دے اسے تکلیف نہ دینا

۲۔ عدل شرعی

جیسے شریعت نے عدل کہا ہے اور یہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے جیسے قصاص اور جنایات [1]

عدل اور انصاف میں فرق

اردو زبان میں عدل کے مفہوم کو عموماً " انصاف " سے ادا کیا جاتا ہے اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم لفظاً لفظ کی بنیاد پر ہو اور پھر اس سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے لے لئے جاتے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل حقوق کی ادائیگی میں توازن و تناسب کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ برابری کا متقاضی ہے بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افرادِ معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوقِ شہریت میں، مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلافِ عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات۔ اسی طرح اعلیٰ درجہ کی خدمات سرانجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ اللہ تعالیٰ نے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں مساوات کی بجائے

---

[1] علامہ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۳۲۵

زبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار المکتبۃ الحیاۃ بیروت، ج ۸، ص ۹

توازن قائم کیا ہے۔[1]

تصورِ عدل قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید نے عقائد و معاملات کو ایک دوسرے کے ساتھ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا ہے کہ کسی حالت میں بھی ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح یہ ذمہ داری تھی کہ آپ لوگوں کی تربیت فرما کر ان کا تزکیہ نفس کریں۔ ٹھیک اسی طرح آپ کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ آپ لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ فرمائیں اور ان کے درمیان باہمی تنازعات کے فیصلے کریں تاکہ کوئی طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمزور پر ظلم کر کے اسے اس کے حقوق سے محروم نہ کر دے اس چیز کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسانی سرشت میں طمع اور دوسرے پر غلبہ و تسلط کا جذبہ موجود ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے نظام عدل ناگزیر ہے قرآن عزیز نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد جس مسئلہ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ وہ ہے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام جیسا کہ قرآن مجید کی بیشتر آیات سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ اسلام میں عدل کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ "عدل" کو مختلف صیغوں کے ساتھ ۲۸ مقامات پر اور لفظ "قسط" کو مختلف صورتوں میں ستائیس ۲۷ مقامات پر ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] مودودی: ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۴۵

[2] محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۷۸ھ، ص ۴۴۸-۴۴۹، ۵۴۴-۵۴۵

قرآن مجید میں عدل چند معنوں میں استعمال ہوا ہے جن کی وضاحت مندرجہ ذیل آیات کرتی ہیں:۔

عدل فی الحکم

(i) وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ [1]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

(ii) وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ [2]

اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

(iii) فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ [3]

پھر اگر ڈرو کہ بیویوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

(iv) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ [4]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس بات پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے

(v) وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۝ [5]

اور ان میں سے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے

---

[1] النساء: ۵۸ — [2] الشوریٰ: ۱۵

[3] النساء: ۳ — [4] المائدہ: ۸

[5] الاعراف: ۱۸۱

عدل فی القول

بات چیت میں درست گوئی اختیار کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ...[۱]

جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔

عدل فی معنی الشرک

اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسرے کو اس کے برابر قرار دینا جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝[۲]

پھر بھی کافر دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝[۳]

اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اپنے رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں

عدل بمعنی فدیہ

عدل کا معنی برابر کی قیمت بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝[۴]

اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لئے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا[۵]

اور اگر وہ اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لئے جائیں گے۔

---

۱ الانعام: ۱۵۲ — ۲ الانعام: ۱

۳ ایضاً: ۱۵۰ — ۴ البقرہ: ۴۸

۵ الانعام: ۷۰

تصورِ عدل حدیث شریف کی روشنی میں

کائنات کا سارا نظام عدل ہی پر موقوف ہے۔ اگر گردش زمین ایک سیکنڈ کے لئے راہ اعتدال سے ہٹ جائے تو کرہ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ یہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اگر اپنے طے شدہ نظام سے ذرا بھر منحرف ہو جائیں تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ عدل انسانی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر معاشرے کی بیماریاں اور خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ عدل و انصاف کے فقدان پر معاشرے کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ عدل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ عدل کرنے والا شخص بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور زمین پر مرجع خلائق بن جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے آدمی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لاحسد الا فی اثنتین، رجل اٰتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اٰتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا و یعلمھا [1]

رشک دو آدمیوں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ اسے (مراد) حق میں خرچ کرنے کی توفیق دے۔ اور اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہو۔

عدل کرنے والا شخص قیامت کے دن بلند مرتبہ پر فائز ہو گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل شخص کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ج ۱، ص ۱۷

"اللہ تعالیٰ اس روز سات شخصوں کو اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا سایہ نہ ہوگا - ان میں ایک امام عادل ہے ......"[1]

مذکورہ حدیث سے عدل کی فضیلت واضح ہوتی ہے - قیامت کے دن جن سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ کے سائے میں جگہ ملے گی ان میں سب سے پہلے منبر پر عادل شخص کا ذکر کیا گیا ہے - ایک اور حدیث شریف میں لوگوں کو عدل کی اس طرح ترغیب دی گئی ہے :

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المقسطین عند اللہ تعالیٰ علی منابر من نور علی یمین الرحمن الذین یعدلون فی حکمھم و اھلیھم وما ولوا ......[2]

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عدل و انصاف کرنے والے لوگ اللہ جل شانہ کے نزدیک نور کے ستونوں پر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب، وہ اہل عدل جو اپنے حکم اور اہل خانہ کے معاملات اور جن چیزوں میں انھیں اختیار ہے اس میں انصاف کرتے ہیں ۔

عدل کے تقاضے اسی وقت پورے ہوں گے جبکہ قانون کے روبرو امیر و غریب، حاکم و محکوم ادنیٰ و اعلیٰ اور قوی و ضعیف سب برابر ہوں - اسلامی معاشرہ میں کوئی مراعات یافتہ طبقہ نہیں ہوتا - عدل کا مطلب یہی ہے کہ منصف کی نظر میں شاہ و گدا برابر ہوں - فیصلہ کرنے والا کسی کی دولت، جاہ و منصب، طاقت اور اثر و رسوخ سے متاثر نہ ہو - اسی اصول کے پیش نظر مسلمان قاضیوں کی عدالت میں خلفاء اور بادشاہوں کو عام آدمی کی طرح طلب کیا گیا ۔

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۶۱ء ج ۱، ص ۹۱

[2] احمد بن شعیب، سنن نسائی، ایچ - ایم - سعید کمپنی کراچی ۱۳۵۰ھ، ص ۲۵۸

مخلوقِ خدا میں سے سب سے زیادہ عدل کرنے والے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
عدل کے معاملے میں آپ نے اپنے پرائے اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز روا نہ رکھی۔ جیسا کہ
بخاری شریف میں ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کے قبیلہ بنی مخزوم کی ایک
عورت سے چوری سرزد ہوئی۔ مقدمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا
عورت کے خاندان والوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں سفارش کرنے کے لئے بھیجا۔ اس پر آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ
تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا
جاتا اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی

وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سرقت
لقطع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یدھا۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی چوری کا فعل سرزد
ہو جاتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ عدل سے قومیں ترقی کرتی ہیں جبکہ ظلم
سے قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ حدود میں سفارش نہیں کی جاسکتی
تیسری بات یہ کہ حدود کے سلسلہ میں کسی کی سفارش قبول نہیں کی جاسکتی۔ چوتھی بات
یہ کہ اگر کوئی حدود کے معاملے میں سفارش کرے تو منصف کو سخت ناراضگی کا اظہار
کرنا چاہیے تاکہ آئندہ سے غلط سفارش کرنے والا دوبارہ جرأت نہ کرے۔ یہ حدیث
قاضیوں کے لئے قیامت تک کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

---

[1] الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحدود، ج ۲، ص ۱۰۰۳

باب اول

فصلِ دوم اسلامی نظامِ عدل کی اِمتیازی خصوصیات

(ا) مفت اور بلاتاخیر انصاف کا حصول

(ب) افعال و تاثیر

(ج) دوام اور پائیداری

(د) مساوات

(ر) خوفِ خدا اور تصوّرِ آخرت

(ہ) ظلم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام

(و) عبرت ناک سزائیں

(ز) اسلام میں قضا کا تصوّر

(ک) شہادت کا معیار

فصل دوم

اسلامی نظام عدل کی امتیازی خصوصیات

اسلام نے عدل و انصاف کے جو قوانین وضع کئے ہیں وہ اتنے سادہ اور سہل الحصول ہیں کہ اگر ان کو اپنا لیا جائے تو ہماری بہت سی مشکلات آسان ہوسکتی ہیں۔ اسلامی نظام عدل کی مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات ہیں :-

مفت اور بلا تاخیر انصاف کا حصول

اسلامی نظام عدل کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اپنے حقوق کے حصول کے لئے بے تحاشا خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ انصاف کے حصول میں بے جا تاخیر سے کام نہیں لیا جاتا۔ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے اسلامی ادوار میں فیصلے فوری ہوتے تھے۔ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کا قضیہ ہو[1] یا غزوہ بدر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص کا مطالبہ ہو[2] یا زنا کے کیس میں اعرابی کے نوجوان بیٹے کو کوڑے مارنے اور دوسرے اعرابی کی بیوی کو سنگسار کرنے کا مسئلہ درپیش ہو[3]۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ مقدمات کا فوری فیصلہ فرمایا۔ انصاف کے حصول میں مدعیوں کو کچھ بھی خرچ نہ کرنا پڑا۔ آپ کی اتباع کرتے ہوئے خلفاء راشدین نے بھی لوگوں کو فوری اور مفت انصاف مہیا کیا۔

آج ہمارے ملک میں جو مغربی نظام عدل رائج ہے اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں انصاف مہنگا اور تاخیر سے ملتا ہے اور انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ بروقت ملے اور اس کے لئے بے تحاشا خرچ بھی نہ کرنا پڑے۔

1۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۱۰۰۳

2۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۸۲ء، ج ۳، ص ۲۷۱

3۔ حوالہ سابق، کتاب الصلح، ج ۱، ص ۳۷۱

افعال و تاثیر

دیگر نظام ہائے عدل (وضعی قوانین) کو معاشرے کے افراد اپنے حالات اور ضروریات کو پیش نظر رکھ کر تیار کرتے ہیں۔ اگر وہ نظام معاشرے کی ضروریات پوری نہ کرے اور قومی امنگوں پر پورا نہ اترے تو وہ اس نظام میں تغیر و تبدل کر دیتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی قومی امنگیں اور معاشرے کی ضروریات فطرت سے بھی متصادم ہوتی ہیں اور بزعم باطل یہ قومی امنگیں بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہیں اس قومی امنگ کی ایک مثال ہم جنس پرستی ہے یا باہمی رضامندی سے فعل شنیع کا ارتکاب جس کے نتیجہ میں آج کل مغربی ممالک اور امریکہ میں ایڈز کی خطرناک بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا عبد الستار خان نیازی یورپ کے اس لچکدار رویے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> یورپ میں کسی وقت ہم جنس پرستی، جرم قابل دست اندازی پولیس اور سات سال قید بامشقت کی متقاضی تھی لیکن آج یہ جرم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہے انگلستان کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا ہوا ہے کہ یہ اب جرم نہیں ہے۔ اس سے محض وقت بہتر طور پر کٹتا ہے۔[1]

مذکورہ پیرے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغربی معاشرہ قانون کو تبدیل کر کے نفسانی خواہشات کے مطابق بناتا رہتا ہے سوسائٹی آگے آگے اور قانون اس کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے جبکہ اسلام کا نظام عدل خود معاشرے کو اپنے خطوط اور اساسیات پر چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ[2]

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

1۔ عبد الستار خان نیازی، مولانا، اسلامی عالمی نظام کی ضرورت، نوائے وقت، ۲ فروری ۱۹۹۳ء (ادارتی صفحہ)

2۔ النساء ۴: ۶۴

دوام اور پائیداری

اسلامی نظام عدل کی اساس وحی الٰہی پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے اور وہ مستقبل کے سب انقلابات اور ضروریات سے پوری طرح آگاہ ہے اس لئے اس کے بنائے ہوئے نظام عدل میں نقص کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اساسی طور پر اسلامی نظام عدل تغیر اور تبدیلی سے بے نیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام عدل اپنے اندر صفتِ دوام رکھتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات میں عالمگیر اصول بیان کئے گئے ہیں جن میں سے چند اصولوں کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ[1] کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا[2] اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ مشقت میں نہیں ڈالتا

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ[3]..... اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اس کے برعکس وضعی قوانین انسانی ذہن کی پیداوار ہیں۔ چونکہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے اس لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں فطری طور پر ضعف و عجز، کم فہمی، نتائج سے عدم واقفیت اور مستقبل سے بے خبری پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قانون بنتے ہی اس میں ترامیم شروع ہو جاتی ہیں مگر اسلامی قوانین میں پائیداری ہے یہ وہ قوانین ہیں جو قیامت تک نافذ رہیں گے۔ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود قانون سازی کی ان اساسیات میں معمولی سا نقص اور خفیف سی کجی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مفکرین اور مقننین نے بھی قانون سازی کی ان بنیادوں کو انقلاب ایام سے قطعاً بے نیاز قرار دیا ہے۔

---

[1] فاطر: ۱۸

[2] البقرہ: ۲۸۶

[3] النحل: ۹۰

مساوات

اسلامی نظامِ عدل کی اہم ترین خصوصیت اس کا عطا کردہ تصورِ مساوات ہے۔ یعنی قانون کے روبرو امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، حاکم و محکوم، آجر و اجیر اور عربی و عجمی برابر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی اگر کسی نے اُن سے شکایت کی تو آپ نے مدعی کے ساتھ انصاف کیا اور ہر ایک کا حق اسے پورا پورا ادا کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خود خلفاء کے خلاف اگر کوئی مقدمہ دائر ہوتا تو خلفاء کو عدالت میں حاضر ہو کر خود اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی اور اگر خلیفۂ وقت کے خلاف حق ثابت ہو جاتا تو اسے عدالت کے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی۔ اس لئے کہ کوئی بھی فرد اپنے آپ فریق اور حاکم دونوں نہیں بن سکتا۔ علامہ سرخسی کے الفاظ میں "ان الامام لایکون قاضیاً فی حق نفسہ"[1] یعنی بے شک حاکم اپنے نفس کے حق میں قاضی نہیں بن سکتا۔

مگر مغربی نظامِ عدل کی رو سے بادشاہ کو ایک عام شہری عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا اور عام عدالتیں وزیر اعظم، صدر اور گورنر پر مقدمہ نہیں چلا سکتیں۔ انگریزی قانون کا ایک اہم اصول ہے کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ "King can do no wrong"[2] بادشاہ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اسلام ماسوا انبیاء علیہم السلام کے کسی انسان کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا۔ پاکستان کی حکومتوں نے بھی برطانوی نظامِ عدل کی پیروی کی۔ پیروی کرتے ہوئے آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۲۴۸ شق نمبر ۲ میں لکھا ہے:

The President, a Governor, the Prime Minister, A Federal Minister, A Minister of State, the Chief Minister,

---

[1] السرخسی: ابوبکر محمد بن احمد، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ مصر (س،ن) ج ۱۶، ص ۷۳

[2] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۵

and a Provincial Minister shall not be answerable to any court for the exercise of powers and performance of functions of their respective offices or for any act done or purported to be done in the exercise of those powers and performance of those functions.[1]

یعنی صدر، گورنر، وزیر اعظم، وفاقی وزیر، وزیر مملکت، وزیر اعلیٰ اور صوبائی وزیر کسی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اگر وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں یا دفتری امور کی بجا آوری کرتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ مغربی نظام عدل میں حاکم و محکوم کی یہ تفاوت اسلامی نظام عدل سے کوسوں دور ہے اسی طرح از روئے قانون اگر کوئی شخص عدالت میں مجرم ثابت ہو جائے تو اسے کوئی بھی بڑے سے بڑا عہدہ دار سزا معاف نہیں کر سکتا مگر پاکستان کے آئین میں یہ سقم موجود ہے کہ صدر مملکت عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کو معاف کر سکتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر صفدر محمود لکھتا ہے "۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق صدر مملکت کسی بھی عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کو معاف کر سکتا ہے، گھٹا سکتا ہے یا معطل کر سکتا ہے۔"[2]

آئین میں دی گئیں مذکورہ دونوں مراعات اسلامی نظام عدل کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اسلامی ملک کی عدلیہ کا فرض ہے کہ جو قوانین قرآن و سنت سے متصادم ہوں، انھیں منسوخ قرار دے کر ملک میں قرآن و سنت کی بالادستی قائم کرے۔

---

[1] Asif Saeed Khosa, The Constitution of Pakistan, 1973, Kausar Brothers, Lahore, 1990, P. 133

[2] صفدر محمود، ڈاکٹر، آئین پاکستان، جنگ پبلشرز لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۴۳

خوفِ خدا اور تصورِ آخرت

اسلامی نظامِ عدل کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت خوفِ خدا اور تصورِ آخرت پر کرتا ہے کیونکہ معاشرہ پر اگر بہت سی پابندیاں عائد کر دی جائیں اور اس کے باطن کو نہ بدلا جائے تو عقل حیلہ سازیت سے چور راستے تلاش کر لیتی ہے۔ اسلام دراصل معاشرے کو اندر سے بدلتا ہے تاکہ قانون شکنی کا کوئی موقع ہی نہ آئے۔ اس اندرونی تبدیلی کے لئے اسلام انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت کے دن جو ابدی ہے کا تصور دلاتا ہے۔ قرآن مجید کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ [1]

اس کتاب میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ھدایت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ [2]

یعنی وہ ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر برائی کے ثمرات و نتائج قیامت کے دن دیکھ لے گا

جب انسان کی باطنی اصلاح ہو جائے تو پھر وہ برائی کے واضح مواقع حاصل ہونے کے باوجود اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہی ہے وہ بنیاد جس پر اسلامی نظامِ عدل معاشرے کی تنظیم و تربیت کرتا ہے۔ اسلامی نظامِ عدل کی دیگر بنیادوں میں سے ایک بنیاد prevention is better than cure ہے کہ ماحول ایسا بنا دیا جائے۔ احوال و طبائع میں اس نوع کا انقلاب برپا کر دیا جائے کہ انسان خود بخود جرائم سے پرہیز کرے۔

---

۱ البقرہ: ۲

۲ الزلزال: ۹

ظلم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام

اسلام جرائم ہونے سے پہلے اس کی روک تھام کرتا ہے اور انسدادی تدابیر بروئے کار لاتا ہے۔ وہ تبلیغ حکمت اور احتساب کے ذریعے ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے کہ جس میں لوگ خدا تعالیٰ سے محبت اور خوف کے حسین امتزاج کی وجہ سے جرائم سے باز رہیں۔ اسلامی نظام عدل کی حکمت کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی بنایا تو ایک سال کی مدت تک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں کوئی مقدمہ نہ آیا۔[1]

یہ اسلامی حکمت اور خوبیوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے بادشاہ احمد شاہ کے تینتیس سالہ دور میں صرف دو قتل ہوئے جبکہ جمہوری امریکہ میں مسلح پولیس کے باوجود ہر سال ہزاروں افراد قتل ہو جاتے ہیں۔ اربوں ڈالر کا مال چوری ہو جاتا ہے۔ نقب زنی اور کاروں کی چوری کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن اسلامی نظام عدل کی یہ برکت تھی کہ سلاطین دہلی کے وقت ایک بڑھیا سر پر زر و زیور کا طشت رکھ کر اکیلی احمد نگر اور بیجاپور کی سرحد تک جا سکتی تھی۔[2]

عبرت ناک سزائیں

اسلامی نظام عدل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جرم ثابت ہونے پر وہ مجرم کے ساتھ کسی رو رعایت کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب مجرم ذہنی سطح پر یہاں تک پہنچ جائے کہ اصلاح کی ہر تدبیر ناکام ہو جائے تو پھر ایسے ناسور کو کاٹ دینا معاشرے پر رحم کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ

---

[1] الوکیع، اخبار القضاۃ بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، فیمس بکس لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۶

[2] ریاض المحسن نوری، اسلام کا نظامِ عدل گستری، منہاج، عدل نمبر حصہ دوم، جنوری ۱۹۸۹ء ص ۳۱

ایسے مجرم کے ساتھ رعایت کرنے سے شریف آدمی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام عقوبات میں عبرتناک سزائیں رکھی گئیں ہیں۔ نظام عقوبات کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

"شریعت نے ایسے معاصی پر حد مقرر کردی ہے کہ جن کے ارتکاب سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور معاشرے کا امن و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ وہ معاصی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار مرتبہ کرنے سے ان کی عادت ایسی پڑتی ہے کہ پھر ان سے جان چھڑانا محال ہو جاتا ہے۔ مجرمین پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ایسے مجرموں کے لئے عبرتناک سزائیں ناگزیر ہو جاتی ہیں تاکہ معاشرے میں اس جرم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس کا مرتکب معاشرے میں دیگر افراد کے لئے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر لوگ جرائم کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں" [1]

اسلام میں قضا کا تصور

اسلامی نظام عدل میں عہدۂ قضا بڑی نازک ذمہ داری ہے جس میں تھوڑی سی غفلت بھی عاقبت خراب کرسکتی ہے۔ یہ پھولوں کا نہیں بلکہ کانٹوں کا ایسا تاج ہے جسے طلب کرنا بھی جائز نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا نولی ھذا من سألہ ولا من حرص علیہ [2]

ہم اس شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس عہدے کو طلب کرے یا اس کا لالچ کرے۔

ایک اور حدیث شریف میں عہدہ قضا کی نازک ذمہ داری کا احساس اس طرح دلایا گیا ہے:

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ج ۲، ص ۱۵۸

[2] الجامع الصحیح للبخاری، ترجمہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، حامد اینڈ کمپنی لاہور، ۱۹۸۲ء، باب الاحکام، ج ۳، ص ۸۴۷

من ولی القضاء وجعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین[1]

جو لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے والی یا قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا

اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ عہدہ قضا کو قبول کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اپنے سر لینا ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاکت ابدی (آخرت کے تباہ ہونے کا) کا خطرہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھے[2]

اسلامی نظام عدل میں صرف متقی اور بے لوث شخص کو قاضی بنایا جا سکتا ہے۔ ایسے قاضی کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حاکم جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور وہ اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس سے خطا ہو گئی جب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔"[3]

مخلص اور بے لوث قاضی کے لئے عہدہ قضا باعث جنت ہے مگر ظالم اور لالچی قاضی کے لئے یہی عہدۂ قضا دوزخ کا باعث بن جائے گا۔ احادیث کے مطالعہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ منصب قضا کی خواہش و طلب سے پرہیز کیا جائے اور اگر بغیر طلب کے یہ ذمہ داری سونپ دی جائے تو اللہ تعالیٰ قاضی کا معاون و مددگار بن جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اپنی مرضی سے منصب قضا قبول کرنے میں اجازت ہے لیکن عزیمت یہ ہے کہ اسے قبول کرنے سے پرہیز ہی کیا جائے۔[4]

---

[1] محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی (س۔ن) ص ۱۶۸

[2] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۶۶

[3] محمد بن مسلم، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۵۶ء ج ۲ ، ص ۷۶

[4] ابوبکر خصاف: احمد بن عمر، شرح ادب القاضی، ترجمہ سعید احمد، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۸۷، ج ۱، ص ۲۷

شہادت کا معیار

عدل کے دیگر نظاموں میں ہر کس و ناکس کو شہادت دینے کی اجازت ہے۔ خواہ ان کا کردار کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو۔ ضروری صرف یہ ہے کہ اس کے ہوش و حواس قائم ہوں اور اپنی بات کو سمجھتا ہو۔ لیکن اسلامی نظامِ عدالت میں شہادت کا کڑا معیار قائم کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ [1]

اور اپنے میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ ٹھہرا لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو۔

مذکورہ آیت قرآنی سے یہ بات آشکارہ ہوتی ہے کہ ادائے شہادت حقیقت میں ادائے امانت ہے اس لئے گواہی کے لئے عادل ہونے کی شرط عائد کی گئی ہے جس شخص کو گواہ کے طور پر پیش کیا جائے اس کے لئے صفاتِ پسندیدہ سے موصوف ہونا ناگزیر ہے۔ آیت کریمہ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ" [2] میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل باتوں کو قبول شہادت کی شرط قرار دیا ہے:

"شہادت دینے والا عاقل بالغ مسلمان ہو، آزاد ہو، اندھا نہ ہو، گونگا نہ ہو، سننے والا ہو حدِ قذف میں سزا یافتہ نہ ہو، صاحب مروت اور قابل اعتبار ہو۔ وہ کسی طرح جھوٹ بولنے والا اور جھوٹی شہادت دینے کے ساتھ متعلق نہ ہو۔" [3]

شاہ ولی اللہ کا قول ہے:

"جو شخص کسی کی نسبت دل میں کینہ رکھتا ہو یا کھانے پینے میں کسی کا طفیلی ہو۔ اس کی شہادت بھی قابل پذیرائی نہیں" [4]

۱۔ الطلاق: ۲ ۲۔ البقرہ: ۲۸۲

۳۔ منیر احمد مغل، ڈاکٹر، اسلام میں قاضی کی حیثیت و اہمیت، منہاج، عدل نمبر حصہ دوم ص ۲۵۸

۴۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۶۷

باب دوم

اسلامی نظامِ عدل کا تاریخی پس منظر

فصل اول اسلامی نظام عدل کے ابتدائی ادوار

(ا) نظامِ عدل در عہدِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم

(ب) خلفائے راشدین کا عدالتی نظام

(ج) دورِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(د) دورِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(ر) دورِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

(ہ) دورِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

(و) بنو امیہ کے دور میں نظامِ عدالت

(ز) بنو عباس کے دور میں نظام عدالت

باب دوم

فصلِ اوّل اسلامی نظامِ عدل کے ابتدائی ادوار

نظامِ عدل در عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون کی بالادستی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم فرمایا جس کی نظیر دنیا کے کسی معاشرے میں نہیں ملتی۔ اسلامی معاشرے میں حصولِ عدل کو یقینی بنانے کے لئے سب سے پہلا کام جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا۔ وہ قانون کی بالادستی کا کام تھا۔ کسی انسانی معاشرے میں عدل کا تصور اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس میں قانون کی حاکمیت نہ ہو۔ اسلام نے جہاں مسندِ عدالت کے سامنے ہر ایک کو، بلا لحاظ رنگ و نسل، عہدہ و رتبہ، مال و دولت اور اثر و رسوخ لاکھڑا کیا۔ وہاں قرآن و سنت کی صورت میں ایسی لازوال تعلیمات مہیا کر دیں جن کی بدولت نہ صرف عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انصاف کی فراوانی ہوئی بلکہ بعد میں بھی خلفائے راشدین اور انصاف پسند حکمرانوں نے عادلانہ نظام قائم کیا[1]۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو تبلیغِ اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی موجود تھے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ دین کے لئے مامور تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصلِ خصومات پر بھی مامور فرمایا تھا۔ قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فریضہ کی یوں تصریح بیان کی گئی ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط[2]

---

[1] محمد الیاس، جسٹس "رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ عدل" سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نظام امن و اصلاح (تالیف محمد شریف سیالوی و ڈاکٹر محمد سلیم) مصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی ملتان، ۱۹۹۲ء، ص ۱۲

[2] المائدہ ۵ : 48

آپ قرآن مجید کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ فرمائیں اور (اے سننے والے) ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر۔

مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد جب پہلی اسلامی فلاحی مملکت کا قیام عمل میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا پہلا دستور تحریر کروایا اور اسے عملی طور پر نافذ بھی کیا۔ اس میں عدل و انصاف کو مرکزی حیثیت دی۔ چنانچہ دنیا کے سب سے پہلے تحریری دستور "میثاق مدینہ" میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اس معاہدہ میں شامل ہونے والے تمام افراد اپنے تنازعات اور مقدمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کریں گے۔ میثاق مدینہ کی رو سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کر لیا گیا۔

چیف جسٹس

مذکورہ تصریح سے ثابت ہوا کہ معاہدہ کی رُو سے آپ کو چیف جسٹس کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ تحریری دستور کے مطابق تمام قانونی تنازعے، عدالتی معاملات اور مقدمات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے۔ وانکم مهما اختلفتم فیہ من شئی فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

--- وانہ ما کان بین اہل ہذہ الصحیفۃ من حدث او اشتجار یخاف فسادہ فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

یعنی جب کبھی تمہارے درمیان کسی معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا ہوگا۔ جب کبھی اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیش آئے جس سے فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا ہوگا۔ عربی میں "مهما اختلفتم فیہ من شئی" اور "اشتجار" جامع قانونی اصطلاحات ہیں۔ ان کا اطلاق تمام قسم کے قانونی، عدالتی، انتظامی، معاشرتی اور سیاسی جھگڑوں پر ہوتا ہے۔[2] ان دفعات کی رو سے آپ مدینہ کی ریاست کے چیف جسٹس قرار پائے۔ دستور کی پابندی تمام پر لازم تھی

---

[1] محمد عبد الملک بن ہشام، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر بیروت، ۱۹۳۷ء، ج ۲، ص ۱۲۱ - ۲۲

[2] محمد طفیل، نقوش، ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ ۱۳۰ (جنوری ۱۹۸۵ء) ج ۱۱، ص ۴۲۵ - ۲۶

تاریخ میں ایسے مقدمات محفوظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دائر ہوئے تھے [1]

مقدمات کے فیصلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے قضیوں کا فیصلہ وحی الٰہی کے مطابق فرماتے تھے۔ اگر وحی نہ آتی تو اجتہاد فرماتے یا صحابہ کرام سے مشورہ کرتے جیسا کہ غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ کیا گیا۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اہل کتاب اور دیگر غیر مسلموں کے مقدموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلے فرماتے تھے ... آپ کا یہ طرز عمل بعد میں مستقل قانون کی شکل اختیار کر گیا کہ غیر مسلم رعایا اور مستامنوں کے مقدمات کا فیصلہ انہی کے شخصی قانون کے مطابق کیا جائے اور اس غرض کے لئے خصوصی عدالتیں بنائی جائیں۔ چنانچہ خلافت راشدہ میں اس چیز نے کافی ترقی کر لی تھی اور ان ملی عدالتوں کے حکام بھی ہم ملت ہی مقرر ہوتے تھے [2]

آپ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی گفتگو توجہ سے سنتے۔ اثبات واقعہ کی صورتیں آپ کے ہاں بیّنہ قسم، گواہوں کی شہادت، تحریر، فراست و درایت سے واقعہ کا اثبات یا نفی، پند و نصائح اور قرعہ اندازی وغیرہ تھیں۔ [3]

گواہی کا بیان

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اظہار بیان کا طریقہ نہایت سادہ تھا، مدعی، مدعا علیہ اور گواہ سب مسجد نبوی میں آپ کے سامنے بیان دیتے۔ اس کے مطابق فیصلہ ہو جاتا۔ یہ تصور بہت کم تھا کہ گواہ جھوٹ بول کر غلط فیصلہ بھی کروا سکتے ہیں۔ اس طرح گواہوں پر جرح کا طریقہ بھی رائج نہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور میں گواہوں کو علیحدہ علیحدہ بلانے کا رواج پڑا اور گواہوں پر جرح کی ابتدا ہوئی۔ [3-A]

---

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۸۲ء، ج ۳، ص ۲۷۱ وما بعد

[2] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام حکمرانی، ص ۱۵۵ - ۵۷ [3] النظم الاسلامیہ، ص ۳۱۵

[3-A] شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست، ص ۲۷۶

پیروی مقدمہ اور وکالت

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدعی اپنا دعویٰ خود پیش کرتا تھا اور مدعا علیہ بھی خود اس کا جواب دیتا تھا۔ وکیل کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم معذوری کی حالت میں اسلام نے وکالت کی اجازت دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ [1]

اگر قرضہ لینے والا بے عقل یا کمزور ہو یا لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ مضمون لکھوائے

قسم

اگر مدعی شہادت فراہم کرنے یا ثبوت بہم پہنچانے میں ناکام رہا ہو تو پھر مدعا علیہ کے ذمے قسم ہے [2] اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ قسم کھانے والا اللہ تعالیٰ سے ڈر کر سچی بات کہہ دے۔ قسم کے ذریعے اسے عدالت میں خدا یاد دلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف گواہ کو جھوٹی قسم اٹھانے سے روک دیتا ہے [3]

قاضیوں کی تربیّت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدعی اور مدعا علیہ میں سے کسی کی رو رعایت نہ فرماتے۔ اپنے پرائے کی کوئی تمیز روا نہ رکھتے۔ مسلم اور غیر مسلم میں بھی قانون کے معاملے میں کوئی فرق نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فریقین کا پورا موقف سن کر فیصلہ صادر فرماتے۔ آپ نے اپنے دورِ مبارک کے قاضیوں کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یمن کا قاضی بناتے ہوئے ہدایت فرمائی:

---

[1] البقرہ: ۲۸۲

[2] الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الشہادات، ج ۱، ص ۳۵۹

الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الاقضیہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶، ج ۲، ص ۷۴

[3] شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست، ص ۲۷۶

عن علی قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قاضیا ، فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء ، فقال ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک ، فاذا جلس بین یدیک الخصمان ، فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول ، فانہ احری ان یتبین لک القضاء قال فمازلت قاضیا وما شککت فی قضاء بعدہ [1]

حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن کی طرف بھیجا - میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں کم عمر ہوں اور فیصلے کرنے کا مجھے علم بھی نہیں ہے - آپ نے فرمایا عنقریب اللہ تعالی تمہارے دل کو اس کا راستہ دکھا دے گا اور تمہاری زبان کو اس پر قائم فرما دے گا - جب فریقین تمہارے سامنے بیٹھ جائیں تو جلدی سے فیصلہ نہ کر دینا جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو جیسے تم نے پہلے کی بات سنی - یہ طریقہ کار تمہارے لئے فیصلے کو واضح کر دے گا - حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا بیان ہے کہ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں نہ مجھ سے کوئی لغزش واقع ہوئی اور نہ کسی فیصلے میں مجھے کوئی شک ہوا

قاضیوں کی تقرری

مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جب کسی صحابی کو قاضی کے عہدہ پر متعین فرماتے تھے تو اسے آدابِ قضا کی تعلیم بھی دیتے تھے اور ساتھ ہی اسے دعا بھی دیتے تھے - عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریح ، تنفیذ اور قضا تینوں مناصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے - البتہ عارضی طور پر کسی مقدمہ کے فیصلے اور اس کے نفاذ کے لئے آپ اپنے نائب کے طور پر کسی صحابی کو مامور فرما دیا کرتے

---

[1] سلیمان بن اشعث ، سنن ابی داؤد ، کتاب القضاء ، ص ۱۴۸

تھے۔ یوں اس صحابی کا فیصلہ بھی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہوتا تھا۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا۔ اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کر دو۔ حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ فیصلہ کرنا تو میری بجائے آپ کا منصب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر چند کہ ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا اگر میں ان کے درمیان فیصلہ کر دوں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا۔ اگر تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم سے صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کے باوجود خطا لاحق ہو گئی تو ایک نیکی ملے گی۔[1]

اسلامی ریاست کی وسعت کے باوجود آپ نے پوری مملکت میں مقدمات کے تصفیہ کا تسلی بخش انتظام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت علاء بن الحضرمی، حضرت معقل بن یسار، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت حذیفہ، حضرت عتاب بن اسید، حضرت دحیہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف علاقوں کا قاضی مقرر فرمایا۔[2]

---

[1] احمد بن حنبل، مسند، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت (س۔ن) ج ۴، ص ۲۰۵

[2] ابن الطلاع: محمد بن الفرج، اقضیۃ الرسول (تحقیق وتدوین محمد ضیاء الرحمن اعظمی) ترجمہ ادارہ معارف اسلامی لاہور، ص ص ۳۵ - ۴۷

خلفائے راشدین کا عدالتی نظام

خلفائے راشدین کے دور میں قرآن وسنت عدلیہ کی بنیاد تھے۔ خلفائے راشدین مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن وسنت میں اس کا حل تلاش کرتے اور اگر اس میں حل نہ پاتے تو مشاورت اور اجتہاد سے کام لیتے۔ اس رویے کے بارے میں احمد حسن کہتا ہے:

They gave their decisions sometimes according to what they had learnt and retained in their memory from the commandments of the prophet, othertimes according to what they understood from the Quran and the Sunnah. Often they formed an opinion by looking to the Shariah-value which led the prophet to take a decision.[1]

یعنی بعض اوقات خلفائے راشدین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بطور نظیر پیش نظر رکھتے ہوئے انہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور کبھی قرآن وسنت کے احکامات کی روشنی میں فیصلے صادر کرتے۔ اکثر اوقات شرعی اقدار کی روشنی میں اجتہاد کرتے، وہ شرعی اقدار جن کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلے فرمائے مذکورہ پیرے سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین قرآن وسنت کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے گئے فیصلوں کو بطور نظیر بنا کر مقدمات کے فیصلے کرتے تھے

---

1. Ahmed Hasan, The Early development of Islamic Jurisprudence, Islamic Research Institute, Islamabad, 1988, PP 14-15

دورِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں عدالت کا نظام انہی خطوط پر چلتا رہا جن پر عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ جزیرۃ العرب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے میں ایک والی مقرر کر رکھا تھا جس کے ذمے اقامتِ صلوٰۃ، تعلیم دین اور نظم ونسق کے امور کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ اور حدود وقصاص کا نفاذ بھی تھا۔[1] وکیع کے بیان کے مطابق اقتدار سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نظام حکومت کے مختلف شعبوں کے سربراہ مقرر کرنے پر غور کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت المال پر متعین کیا۔[2]

مقدمات کے فیصلوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فریقینِ مقدمہ حاضر ہوتے تو آپ قرآن مجید میں غور وفکر کر کے فیصلہ فرماتے۔ قرآن مجید سے حل نہ ملنے کی صورت میں سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر حدیث شریف سے بھی حل معلوم نہ ہوتا تو خاص خاص ذمہ دار صحابہ سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مقدمہ زیر بحث کے بارے کچھ معلوم ہو تو بتاؤ۔ جب صحابہ اتفاقِ رائے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقدمہ زیر بحث کا حل بتاتے تو آپ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ اگر اس سعی کے بعد بھی آپ کا کوئی فیصلہ معلوم نہ ہو سکتا تو اکابر صحابہ کو جمع فرما کر اس مقدمہ کو پیش فرماتے اور جب ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔[3]

---

[1] عبدالرحمن بخاری، سید، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، منہاج، عدل نمبر، حصہ دوم جنوری ۱۹۸۴ء، ص ۱۸-۱۹

[2] الوکیع، محمد بن خلف بن حیان، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۱۰۴

[3] ابن عرنوس، تاریخ القضاء فی الاسلام بحوالہ اسلام کا نظام عدالت وسیاست، ص ۱۳۳

دورِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب اسلام کا میدانِ عمل اور زیادہ وسیع ہوا اور غیر اقوام کے ساتھ تعلقات استوار ہوئے تو اس وقت ایک ایسے نظامِ عدالت کی ضرورت تھی جو عربوں اور غیر عربوں کے لئے نافذ کیا جائے اس مقصد کے لئے باا ثر اور معزز قاضیوں کا تقرر کیا گیا جن کا فرضِ اولین تھا کہ وہ قرآن وحدیث اور قیاس کے مطابق فیصلہ کریں۔

دستور

قرآنی دفعات اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کی بنیادی پالیسی تھی۔ آپ نے اپنے فوجی افسروں کو تحریری ہدایات ارسال کیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ صوبائی عدالتوں کے سربراہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ زیرِ بحث مسئلہ میں تدبر و تفکر سے کام لو۔ جس مسئلہ میں خلجان ہو اور اس مسئلہ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی نہ ہو تو امثال و نظائر میں گہری نظر ڈالو اور امور کو اس پر قیاس کرو[1]

فیصلہ کا طریق کار

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن و سنت سے مدد حاصل کرتے پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلوں کی طرف نظر کرتے۔ اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو اکابر صحابہ کو جمع کر کے اُن کی رائے معلوم کرتے اور جب کسی ایک رائے پر صحابہ کا اجماع ہو جاتا تو اس پر عمل کرتے[2]

---

[1] الجاحظ، البیان والتبیین، دار صعب، بیروت (س۔ن) ص ۲۳۷

[2] یعقوب الرحمن عثمانی، اسلام کا نظام سیاست و عدالت، ص ۱۳۳-۱۳۴

عدل و انصاف میں مساوات

عدل و انصاف کا ایک لازمہ مساوات ہے یعنی دیوانِ عدالت میں شاہ و گدا، حاکم و محکوم اور امیر و غریب سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود عدالت میں حاضر ہو کر اس کا ثبوت پیش کیا۔ ایک دفعہ ان کے اور حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک باغ کے معاملہ پر تنازع پیدا ہو گیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جگہ سے ہٹ کر تعظیم کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعب کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کو حلف اٹھانا ہوگا اور پھر ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ امیر المومنین سے حلف نہ اٹھوائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے پھر آپ نے فرمایا۔ اے زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے [1]

عدالت فاروقی کی خصوصیات

(۱) آپ نے متدین، متقی اور معاملہ فہم قاضیوں کو منتخب کیا۔ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربے کے بعد لوگوں کو قاضی مقرر کرتے تھے۔ امیر اور معزز آدمیوں کو قاضی مقرر کرتے تھے۔ قاضی کو تجارت کی اجازت نہ دیتے تھے [2]

---

[1] الوکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۱۵۸-۱۰

[2] عرفان حسن صدیقی، عدل، ص ۱۵۶

(ii) آپ نے قاضیوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیں تاکہ بآسانی ان کی ضروریات پوری ہوں اور وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ سو درہم تھی۔ یہ تنخواہ اس زمانے کے حالات کے مطابق کافی تھی۔[1]

(iii) آپ کے دور میں آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی۔ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہ تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اس بنا پر ضلع میں ایک قاضی ہونا کافی تھا۔[2]

انتظامیہ سے عدلیہ کی علیحدگی

عہد فاروقی کے آغاز میں عدلیہ اور انتظامیہ کا شعبہ اکٹھا تھا۔ البتہ چند سالوں کے بعد ان دونوں شعبوں کو الگ کر دیا گیا۔ بقول ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) سب سے پہلے جس شخص نے عدلیہ کو انتظامیہ سے جدا کیا وہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔[3]

عہد فاروقی میں عدلیہ کا محکمہ ہی مظالم، قضا اور حسبہ کے معاملات کو نبٹاتا تھا۔ شبلی نعمانی کی رائے کے مطابق: مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا تھا۔[4] عدلیہ کا محکمہ ہی مظالم کی دادرسی کرتا تھا۔ مظلوم کی داد کرنا آپ اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔

قولِ عدل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

---

[1] شبلی نعمانی، الفاروق، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۹، ص ۳۳۹

[2] ایضاً، ص ۳۴۰ - ۴۱

[3] ابن خلدون، مقدمہ، باب ۳ فصل ۳۱، ص ۱۸۱

[4] شبلی نعمانی، الفاروق، ص ۳۴۵

ولست اجد احدا لظلم احدا و یتعدی علیہ حتی اضع خدہ الارض و

اضع قدمی علی خد الآخر حتی یذعن بالحق [1]

یعنی میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے یا دست درازی کرے حتیٰ کہ میں اس کے رخسار

کو زمین پر رکھ کر اپنا قدم اس کے دوسرے رخسار پر رکھوں۔ یہاں تک کہ وہ حق پر عمل پیرا ہو۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عدالتی اصول

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ عدل جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام

تحریر فرمایا، بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں شرائط قضا اور اس کے آئین لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ قضا ایک ایسا فریضہ ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے اور ایسی

سنت ہے جس کی پیروی ضروری ہے۔ مقدمات سامنے ہوں تو عقل و انصاف سے کام لو۔ جس حق بات کا

کا نفاذ نہ ہو اس کا زبان سے نکلنا بے سود ہے۔ ملاقات، انصاف اور هم نشینی میں

مساوات کا خیال رکھو۔ کوئی تمہارے ظلم سے فائدہ نہ اٹھائے اور نہ کمزور آدمی تمہارے

عدل سے مایوس ہو۔ مدعی کے ذمے شہادتِ شرعی ہے اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔ دو

مسلمانوں میں صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس صلح سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کیا

جائے۔ اپنا سابقہ فیصلہ آئندہ بطور نظیر کے استعمال کرنا ضروری نہ سمجھو۔ اگر غور و تدبر

کے بعد حق کی طرف رہنمائی ہو تو اس کو اختیار کرو۔ حق کی طرف مراجعت باطل پر اڑے

رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اگر کسی امر کے متعلق قرآن و حدیث سے فیصلہ معلوم نہ ہو اور

قلب پریشان ہو تو عقل سے کام لیکر نظائر و امثال پر قیاس کرو۔ اور جو شخص کسی پر

کسی معاملہ میں دعویٰ کرے۔ بار ثبوت کے لئے کچھ مدت دو۔ اگر وہ شہادت پیش کر دے تو

---

[1] شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء (ترجمہ اشتیاق حسین قریشی) قدیمی کتب خانہ کراچی (س۔ن) ج ۳، ص ۲۲۷

اس کا حق اس کو دلا دو۔ ورنہ اس کے خلاف فیصلہ صادر کردو۔ شک وشبہ سے بچنے کی یہی صورت ہوسکتی ہے۔ مسلمان، مسلمان کے خلاف شاہد ہو سکتا ہے سوائے ان کے جو سزا میں درّے کھا چکے ہوں یا جھوٹی شہادت کے سزا یافتہ ہوں یا ولاء اور قرابت کی جانب سے مشکوک ہوں۔۔۔ مقدمات کے تصفیے میں گھبراہٹ، پریشانی اور ملال کو پاس نہ آنے دو۔ حق دار کو حق پہنچانے کا اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے گا۔"[1]

دورِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مقدمات کے فیصلے کا طریقہ

عہدِ عثمانی میں فتوحات کی وسعت کے ساتھ ساتھ دائرہ قضا کی وسعت بھی عمل میں آئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی فیصلے کرتے تھے۔ ان کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جب فریقین ان کے پاس قضیہ لیکر آتے تھے تو آپ ایک فریق کو حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کو اور دوسرے فریق کو طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلانے بھیجتے۔ جب سب آجاتے تو فریقین کو اپنی اپنی بات کہنے کا موقع دیتے۔ فریقین کی بات سن کر ان حضرات صحابہ کی رائے طلب کرتے۔ اگر ان اصحاب کی رائے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتفاق ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے اور اگر ان کی آرا سے اتفاق نہ ہوتا تو پھر اس کے بعد زیر بحث مقدمہ پر خود غور و خوض کرتے۔[2]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریقۂ کار سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کے بارے میں ماہرین اور صائب الرائے اصحاب سے مشورہ کرنا ایک مستحسن قدم ہے لیکن مشورہ کرنے والا مشورہ کا پابند نہیں ہے

---

[1] الماوردی، علی بن محمد بن حبیب، الاحکام السلطانیہ، مطبعۃ مصطفیٰ، قاہرہ، ص ۷۱-۷۲

[2] الوکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۱۱۵

مقدمات کے فیصلے کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ نے اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے اس دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص نے چوری کا ارتکاب کیا۔ یہ اپنے قبیلہ کا ایک معزز آدمی تھا۔ بعض لوگوں نے سفارش کے ذریعے اسے معافی دلانے کا پروگرام بنایا۔ اس وقت زبیر نامی ایک شخص امیر المومنین تک رسائی رکھتا تھا۔ وہ لوگوں کے اصرار پر سفارش کے لئے تیار ہو گیا اس نے عدالت عثمانی میں پہنچ کر سفارش کی تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا:

"جب سفارش حدود اللہ میں کی جانے لگے جن کا جاری کرنا امیر پر واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی سفارش کرنے والے اور سفارش قبول کرنے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔"[1]

مظالم کی سماعت کے متعلق معمول

مظالم کی سماعت کے متعلق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ آپ نماز سے قبل مسجد نبوی میں بیٹھ جاتے اور لوگوں سے[2] ان کی حاجات سنتے اور ان کے متعلق احکام جاری کرتے۔ آپ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام بھی قضا کے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ آپ کے عہد کے حضرت زید بن ثابت مشہور قاضی تھے۔[3]

دار القضا

قاضی یا حاکم عدالت کا اجلاس شروع میں مسجد میں ہوتا تھا جس میں مسلم اور غیر مسلم سب آ سکتے تھے۔ ابن عساکر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک عمارت "دار القضا" کے نام سے تعمیر ہو چکی تھی۔[4] نور الدین محمود کے زمانے میں ایک "دار العدل" تشکیل دیا گیا جس سے محکمہ قضاء تشکیل پا گیا۔[5]

---

[1] یعقوب الرحمن عثمانی، اسلام کا نظام عدالت و سیاست، ص ۱۴۱

[2] ابن کثیر: ابو الفدا اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنھایہ، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۹۸۲ء، ج ۷، ص ۲۱۵

[3] حوالہ سابق، ص ۱۹

[4] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام حکمرانی، ص ۱۱۷

[5] عبد الرحمن بخاری، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، منہاج، جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۲۱

دَورِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

یوں تو سراج نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر صحابی نے کسب فیض کیا اور ان سب کے الگ الگ رنگ ہیں مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اللہ تعالیٰ نے کارِ قضا میں بلند مقام عطا کیا اور دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں "اقضاھم علی" کا خطاب ملا۔ کتنی ہی گتھیوں کو ان کی ذہانت نے سلجھایا۔ اس اجمال کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ملتی ہے:

عظیم قاضی

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا "کہ تم سات چیزوں میں دوسرے لوگوں سے افضل ہو۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فصلِ خصومات میں تم بہت بڑے قاضی ہو۔"[1] آپ کو ایک یہ بھی امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے خود عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قضا کے فرائض سرانجام دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ علاوہ ازیں آپ بہت بڑے فقیہہ بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: "حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہم میں سب سے بڑے قاضی ہیں۔"[2]

مقدمات کی سماعت

مظالم کی سماعت کے لیئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کوئی دن یا خاص وقت متعین نہیں کیا تھا بلکہ جس وقت آپ کے پاس کوئی شکایت آتی تو آپ اسی وقت اس کا فیصلہ کر دیتے چنانچہ:

"ایک دن ایک مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت ایک دیوار کے نیچے بیٹھ کر اس کی سماعت شروع کر دی۔ ایک شخص نے کہا۔ اے امیر المومنین! یہ دیوار گرنے کے قریب ہے۔ آپ نے جواب

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، کارخانہ تجارت کتب کراچی (س۔ن) ص ۷۲

[2] ایضاً، ص ۱۷۵

دیا - تم اپنا کام کرو - اللہ تعالیٰ ہمارا نگہبان ہے - آپ نے مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان فیصلہ کیا - اس کے بعد دیوار گر گئی۔"[1]

ایک مقدّمے میں بطور مشیر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پیش رو خلفاء کے مقدمات میں مشیر تھے یعنی بعض مقدمات کے سلسلہ میں مشورے دیتے تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی دور فاروقی کا ایک واقعہ لکھتے ہیں :

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مجنون عورت نے چھ ماہ میں بچہ جنا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ حمل کے دس ماہ پورے نہیں ہوئے، عورت کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ ایک تو مجنون ہونے کی وجہ سے وہ قابل معافی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حمل اور رضاعت کی درمیانی مدت کے تیس مہینے مقرر کئے ہیں۔ چوبیس ماہ دودھ پلانے کے اور چھ ماہ حمل کے، اس طرح تیس ماہ ہوجاتے ہیں۔ اس مشورہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے ساختہ کہا۔[2]

"لولا علی لھلک عمر" اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔

اس واقعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے قرآن مجید سے استدلال کیا۔[3] آپ کی فراست اور بصیرت سے ایک نہیں بلکہ دو انسانی جانیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت چوبیس ماہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نہ صرف مقدمات سن کر فیصلے کرتے تھے بلکہ اگر کسی نے ان کے خلاف کوئی دعویٰ دائر کیا تو آپ نے بذات خود قاضی کے روبرو فریق مقدمہ کے طور پر پیش ہو کر قانون کی بالاتری ثابت کی

---

1. جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۷۸
2. ایضاً، الدر المنثور، مکتبہ آیۃ اللہ، قم ایران ۱۴۰۴ھ، ج ۶، ص ۴۰، صدیقی، برصغیر میں اسلامی نظام عدل گستری ص ۵۱
3. الاحقاف : ۱۵، آیت کا متعلقہ حصہ یہ ہے "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا"

عدالت میں پیشی

"ایک دفعہ آپ کی ایک زرہ گم ہوگئی۔ تلاش کرنے پر ایک یہودی سے برآمد ہوئی۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کر دیا۔ قاضی شریح نے فریقین مقدمہ کو طلب کیا۔ بیانات سنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ثبوت طلب کیا۔ آپ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور گواہ قاضی کی عدالت میں پیش کیا لیکن قاضی شریح نے امام حسن کی، بیٹا ہونے کی حیثیت سے گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ یہودی نے اس فیصلے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا اور اعتراف کیا کہ یہ زرہ واقعی آپ کی ہے۔ اس انصاف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اتنے خوش ہوئے کہ قاضی کی تنخواہ پانچ سو درہم کر دی۔"[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرون اولیٰ میں عدالتوں پر کوئی سیاسی دباؤ نہ تھا۔ عدلیہ اتنی طاقتور تھی کہ خلیفہ وقت تک کو عدالت میں طلب کر سکتی تھی اور پھر حکام اعلیٰ قاضی کے صحیح فیصلے سے ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوتے تھے وہ فیصلہ چاہے ان کے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ آج پاکستان میں یہ قانون کہ اعلیٰ حکام کو عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا، یہ سراسر اسلامی نظام عدل کے خلاف ہے۔ قانون سب کے لئے ایک جیسا ہوتا ہے کسی ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تمیز روا رکھنا اسلامی نظام عدل کے خلاف ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ نزدیک رشتہ داروں کی گواہی موثر خیال نہیں کی جاتی تھی۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے عدل و انصاف کرنے کی وجہ سے اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔ مگر پاکستان میں اکثر حکمرانوں نے عدلیہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور عدلیہ کے وقار کو کم کیا۔[2]

۱۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۸۴-۱۸۵؛ شمیم حسین قادری، اسلامی عدالت، ص ۱۹

۲۔ منظور قادر ایڈووکیٹ، عدلیہ کی عظمت کو داغدار کرنے میں حکمرانوں کا کردار، نوائے وقت، ۲۷ جولائی ۱۹۹۲ء

بنو امیہ کے دور میں نظامِ عدالت

خلافت راشدہ کے بعد خاندان بنی امیہ کی حکومت اہ تا ۱۳۲ھ تک قائم رہی۔ حضرت امیر معاویہ اس خاندان کے بانی تھے۔ جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شام کا عامل مقرر کیا۔ ۶۱ھ میں شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور واقعہ حرّہ کے بعد اموی حکومت متزلزل ہونے لگی تو عبد الملک بن مروان نے اس کو دوبارہ استحکام بخشا۔ اس کے بعد ۱۳۲ھ تک خاندان بنی امیہ کے بارہ خلفاء نے حکومت کی۔

مقدمات کی سماعت کا طریقہ کار

خلفاء راشدین کی طرح اموی خلفاء بھی لوگوں کو عدل مہیا کرنے کے لئے بہت اہتمام کرتے تھے۔

مسعودی (م ۳۴۶ھ) نے لکھا ہے:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ دن میں پانچ بار لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے تھے ان میں ایک وقت صبح کا ہوتا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں بیٹھ جاتے۔ چوبدار کھڑے ہو جاتے۔ مظلوم لوگ مسجد میں بلا روک ٹوک آتے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی روئیداد بتاتے۔ کوئی کہتا، مجھ پر ظلم ہوا۔ آپ اس کی مدد کرنے کو کہتے۔ دوسرا کہتا۔ مجھ پر زیادتی ہوئی۔ آپ کہتے اس کے ساتھ آدمی بھیجو۔ تیسرا کہتا۔ میرے ساتھ برا سلوک ہوا۔ آپ کہتے اس کے معاملے کی تحقیق کرو۔ اپنے پاس بیٹھنے والے مصاحبین کو بھی آپ مخاطب کرکے فرماتے " انما سمیتم اشرافا لانکم شرفتم من دونکم بھذا المجلس ارفعوا الینا حوائج من لا یصل الینا۔"[1] یعنی تمہارا نام شرفا رکھا گیا۔ اس مجلس میں دوسروں نے تمہیں یہ شرف بخشا۔ جو مظلوم ہم تک نہ پہنچ سکیں ان کی حاجات پہنچاؤ"

---

[1] مسعودی: علی بن حسین، مروج الذھب، دار الاندلس بیروت ۱۹۶۵ء، ج ۳، ص ۲۹-۳۵

اموی دور میں چونکہ ظلم و تعدی اور غصب و تغلب پہلے کی نسبت بڑھ چکا تھا ۔ وعظ و نصیحت غیر موثر ہو چکی تھی ۔ لہٰذا ظلم و ستم کے اس غلبے کو روکنے اور مظلوم کی داد رسی کے لئے عبد الملک بن مروان نے ایک دن مقرر کرنے کے علاوہ قاضی کا تقرر بھی کیا ۔[1]

عبد الملک بن مروان کے دور میں ایک عورت نے خلیفہ سے شکایت کی کہ میرے بھائی نے چھ سو دینار ورثہ چھوڑا اور مجھے صرف ایک دینار ورثے سے دیا گیا ۔ ورثاء کہتے ہیں کہ تیرے حصے میں ایک ہی دینار آتا ہے ۔ عبد الملک نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے کہا :

" متوفی نے اپنے ورثاء میں دو بیٹیاں چھوڑی ہیں ، چار سو دینار اُن کے ہوئے ۔ سو دینار اُس کی ماں کو ، پچہتر دینار اُس کی بیوی کو اور بارہ بھائیوں کو چوبیس دینار ملیں گے اب ایک دینار بچا اور وہ تیرے حصہ میں آگیا ۔ "[2]

حضرت عمر بن عبد العزیز مقدمات کا فیصلہ خود کرتے اور انصاف کے مطابق ہر شخص کو اس کا حق دیتے عدل و انصاف کے معاملے میں اپنی ذات تک کو بھی معاف نہ کرتے ۔ ولید بن عبد الملک کی طرف سے جو آپ کو انگوٹھی ملی تھی ۔ آپ اس سے بھی دست بردار ہو گئے اور اسے بیت المال میں جمع کروا دیا ۔[3]

مظالم کے مقدمات نبٹانے کے لئے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ آپ عشاء کی نماز کے بعد بیت المال سے چراغ منگواتے تا کہ رعایا کے معاملات و مقدمات کے متعلق فرمان لکھیں ۔ جب صبح ہوتی تو داد رس حقوق کے لئے اجلاس بلاتے ۔[4] بعض اوقات آپ موقع پر ہی تنازعہ کا فیصلہ سنا دیتے اس طرح آپ بلا تاخیر اور حسبِ انصاف حیا فرماتے ۔ ایک دفعہ جب ایک یمنی مظلوم نے آپ سے فریاد کی کہ میری فلاں زمین

---

[1] الماوردی : علی بن محمد بن حبیب ، احکام السلطانیہ (ترجمہ سید محمد ابراہیم) ادارہ اسلامیات لاہور ، ص ۱۲۸

[2] السیوطی ، تاریخ الخلفاء ، ص ۲۲۱

[3] ابن سعد : ابو عبد اللہ محمد ، الطبقات الکبریٰ ، دار صادر بیروت (س ۔ ن) ج ۵ ، ص ۳۷۱-۳۷۲

[4] ایضاً ، ص ۳۷۴

ولید بن عبد الملک نے چھین لی ہے تو آپ نے متعلقہ مراجم (پٹواری) کو رجسٹر لانے کو کہا۔ آپ نے اس رجسٹر میں لکھا دیکھا کہ ولید بن عبد الملک نے فلاں شخص کی زمین اپنے لئے منتخب کی ہے۔ آپ نے حکم دیا:

"اس حصے کو کاٹ کر لکھو کہ یہ زمین اصل مالک کو واپس دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس یمنی کو دوگنا خرچ دینے کا بھی اعلان کیا۔"[۱]

ہشام بن عبد الملک دار الخلافہ میں بھی مقدمات کی سماعت کرتا۔ اس کے علاوہ اس نے رصافہ[☆] کے مقام پر ساٹھ راتیں مخصوص کی تھیں۔ ان راتوں میں مظالم کی سماعت کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ بقول ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) ان دنوں مظالم سے متعلق مقدمات کی سماعت ہوتی اور ظالم کا ہاتھ ظلم سے روک دیا جاتا تھا۔[۲]

قاضی مقدمات کے فیصلے کرنے میں آزاد تھے

دور بنو امیہ میں حکمرانوں کے علاوہ اکثر مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے تھے۔ قضاۃ پر حکمرانوں کا سیاسی دباؤ نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر قاضی اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ کسی مخصوص شخص کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اس زمانہ میں قاضیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ فیصلے کرنے میں بصیرت سے کام لیتے تھے چنانچہ توبہ بن نمر حضرمی جو ہشام بن عبد الملک کے عہد میں مصر کا قاضی تھا، اس امر کی کوشش کرتا تھا کہ ان لوگوں کی جائیدادوں پر سرکاری نگرانی قائم کی جائے جو بے دردی سے اپنا مال ضائع کرتے ہیں اور اسراف میں حد سے بڑھ جاتے ہیں امیر حکم بن ہشام کے ایک قاضی محمد بن بشیر معافری نے جو امام مالک کے ہم عصر تھے، وزیر ابن فطیس کے خلاف فیصلہ دیا۔ گواہان مقدمہ کے نام بھی وزیر کو نہ بتائے۔ وزیر نے امیر سے شکایت کی اور حکم نے قاضی سے دریافت کیا کہ جرح کا موقع کیوں نہ دیا گیا۔ قاضی نے جواب دیا کہ گواہوں کو عدالت کے باہر ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کی خاطر انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔[۳]

۱۔ الماوردی، احکام السلطانیہ (ترجمہ سید محمد ابراہیم) ص ۱۴۴

۲۔ ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، دار المعرفۃ بیروت (س۔ن) ج ۲، ص ۱۰۷

۳۔ عبد الحفیظ صدیقی، پروفیسر، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۶۹

☆ رصافہ متعدد مقامات کے نام ہیں لیکن یہ رصافہ، رصافہ ہشام کہلاتا ہے۔ یہ گرمیوں کے دن گزارنے کے لئے دریائے فرات کے کنارے بنایا گیا تھا۔
(یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر، دار بیروت، ۱۹۷۹، ج ۳، ص ۴۷)

مذکورہ فیصلے سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ کے دور میں قاضی فیصلے کرنے میں آزاد اور با اختیار تھے

قاضی کے اختیارات

اموی دور میں حکمرانوں کے علاوہ عدل گستری قاضیوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ حکمران قاضی کی تقرری کرتا تھا۔ قاضی کو تقرر نامہ بادشاہ کی طرف سے جاری ہوتا تھا۔ اس فرمان میں قاضی کے اختیارات کی وضاحت ہوتی تھی جیسا کہ ماوردی نے بیان کیا ہے:

"کسی خاص شہر یا خاص مجمع پر اختیارات عام کے ساتھ قاضی کا تقرر جائز ہوگا اور وہ خاص مفوضہ علاقے پر اپنے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہوگا۔ اسے وہاں کے باشندوں اور مسافروں کی فلاح و بہبودی کے انتظامات کرنے ہوں گے اور مقدمات کا تصفیہ کرانا ہوگا۔ اگر اس کے اختیارات صرف باشندگان علاقہ کے مقدمات تک محدود کر دیئے جائیں تو مسافروں سے تعرض کرنے کا اس کو اختیار نہ ہوگا"[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقرر نامے میں حکمران کی طرف سے قاضی کے اختیارات کی وضاحت ہونی چاہیے اور وہ قاضی اپنے تفویض شدہ علاقے ہی میں مقدمات سننے کا مجاز ہوگا۔ اموی خلفاء قاضیوں کو مقرر کرتے وقت ان کی اہلیت کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔

قاضی کی صفات

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی رائے کے مطابق قاضی میں حسب ذیل پانچ صفات ہوں تو وہ کامل ہے ورنہ ناقص ہے۔

(i) تقرر سے پہلے کے واقعات کا علم ہو (ii) حرص اور طمع سے نفرت ہو

(iii) بردبار ہو۔ مخالف کے ساتھ بھی تحمل سے پیش آئے (iv) آئمہ فقہ کا متبع ہو

(v) اہل علم اور اہل الرائے اصحاب کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔[2] فقہائے دیانت، ثقاہت، عدالت اور اجتہاد کو بھی ضروری قرار دیا ہے[3]

---

[1] الماوردی، احکام السلطانیہ ص ۱۲۰ [2] پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۶۱

[3] عبدالسلام ندوی، اسلام کا عدالتی نظام، آئینہ ادب، چوک مینار انارکلی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶

بنو عباس کے دور میں نظام عدالت

بنی عباس کا عہد ۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ تک رہا۔ منصور سے متوکل تک عباسی خلافت اپنے عروج پر رہی۔ خصوصی طور پر خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور میں عباسیوں نے علمی، مادی، روحانی تمدنی اور ثقافتی شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کی۔ بنی عباس کا دور جس کا آغاز ابو العباس سفاح نے ۱۳۲ھ میں کیا تھا، مستعصم باللہ پر ۶۵۶ھ میں اپنے اختتام کو پہنچا۔

مقدمات فیصل کرنے کا طریق کار

خلفاء عباسی کے زمانے میں رعایا کو عام اجازت تھی کہ وہ ظلم وستم کے متعلق قاضی کی عدالت میں رجوع کریں اگرچہ ظلم کے متعلق شکایت خلیفہ کے متعلق ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"کچھ شتربانوں نے قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں استغاثہ پیش کیا کہ منصور کے بعض کارکنوں نے انھیں نقصان پہنچایا ہے۔ مرافعہ ریاست کے نظم ونسق کے خلاف تھا۔ منصور سربراہ ریاست ہونے کی وجہ سے مدعا علیہ تھا۔ قاضی نے منصور کو عدالت میں حاضری کا حکم دیا۔ منصور قاضی کا حکم ملتے ہی بھرا دربار چھوڑ کر قاضی کی عدالت میں پیش ہوا۔ قاضی نے کوئی تعظیم نہ کی۔ منصور نے ملزموں کے کٹہرے میں جگہ پائی۔ مدعی پیش ہوئے۔ انھوں نے اپنے دلائل دیئے۔ جرم ثابت ہو گیا۔ قاضی نے منصور کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ منصور اس فیصلے سے اتنا خوش ہوا کہ باوجود جل کے قاضی کو دس ہزار اشرفیاں بطور انعام دیں۔"[1]

اس واقعہ سے بنو عباس کے دور کے قاضیوں کی جرأت وبیباکی ظاہر ہوتی ہے۔ دراصل بادشاہوں کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہت بڑا جہاد ہے۔

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۶۶

مہدی اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے لوگوں میں محبوب تھا۔ اس نے اپنی حکومت کا آغاز قتل کو روکنے خوف زدہ کو امن دینے اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرنے سے کیا تھا۔ ابن الاثیر اس کے بارے میں کہتا ہے:

"مہدی روزانہ مظالم کی سماعت اور تحقیقات کے لئے بیٹھتا اور مظلوموں کی داد رسی کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔"[1] خلیفہ منصور نے محل میں جداگانہ عدالت قائم کی اور استغاثہ پیش کرنے کی ہر ایک کو اجازت دی مگر روبرو استغاثہ پیش کرنے کی جرأت کم لوگوں کو ہوتی تھی لہٰذا مہدی وہ پہلا خلیفہ تھا کہ جس نے مظالم سے متعلق تحریری درخواستیں پیش کرنے کا طریقہ وضع کیا۔ صاحب المظالم روزانہ محل کے باہر ایک چادر بچھا دیتا اور مہدی کے حاجب پکارتے کہ اپنی شکایات اس چادر میں ڈال دو بعد میں وہ درخواستیں مہدی کو پیش کی جاتیں۔ مہدی ایک یا دو قاضیوں کی موجودگی میں ان استغاثوں پر غور کر کے فیصلے کرتا۔[2]

ہارون الرشید نے سب سے پہلے خراج اور شرعی محاصل کے لئے قاضی ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) سے خراج کا قانون مرتب کروا دیا۔ قاضی ابو یوسف کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

اطال اللہ بقاء امیر المومنین ۔۔۔ ان امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سألنی ان اضع له کتابا جامعا یعمل به فی جبایة الخراج و العشور و الصدقات و الجوالی وغیر ذلک مما یجب علیه النظر فیه والعمل به انما اراد بذلک رفع الظلم عن رعیته و الصلاح لامرھم۔[3]

اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی عمر لمبی کرے ۔۔۔ امیر المومنین نے مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے

---

[1] ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۳ء، ج ۵، ص ۳۷

[2] رشید اختر ندوی، تہذیب و تمدن اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۳ء، ج ۳، ص ۱۸۱

[3] ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ) کتاب الخراج، مکتبۃ السلفیہ قاہرہ، ۱۳۴۶ھ، ص ۳

جس کو وہ خراج، عشر، صدقات اور جوالی* کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں اور جو ان دوسرے
امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے جس پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے
امیر المومنین کا منشا یہ ہے کہ اپنی رعایا سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست کریں

قاضی ابو یوسف نے امیر المومنین ہارون الرشید کو کتاب الخراج میں عدل و انصاف کا مشورہ دیا
کہ اے امیر المومنین! اپنی رعایا پر کئے گئے مظالم کی سماعت کے لئے بیٹھو خواہ یہ مجلس ایک ماہ کے بعد
منعقد ہو یا دو ماہ کے بعد۔ اس مجلس میں مظالم کی سماعت کرکے دادرسی کرو۔[1] چنانچہ
ہارون الرشید نے اس کے بعد ہفتہ میں ایک دن مظالم کی سماعت کے لئے مخصوص کر دیا۔ مقدمات کا
خود جائزہ لینے کے علاوہ اپنے وزیر سے بھی مشورہ کرتا۔ مقدمہ کے تمام پہلو سامنے آجانے کے بعد
فیصلہ خود خلیفہ اپنے ہاتھ سے لکھتا۔ فیصلہ چند سطروں میں جامع انداز سے لکھا جاتا۔[2]
مامون الرشید نے بھی اپنے باپ کی طرح قیام عدل کی طرف بہت توجہ دی۔ اس نے مظالم
کی سماعت کے لئے اتوار کا دن مقرر کیا تھا۔ اس روز صبح سے لیکر ظہر تک مظالم سے متعلق
شکایات سماعت کرتا[3]

مہتدی باللہ مظالم کی سماعت کے لئے خود بیٹھتا تھا وہ مقدمات کی سماعت اتوار اور جمعرات
کو کرتا اور مقدمات کے فیصلے کے وقت کتاب اللہ کو اپنے سامنے رکھتا۔[4]

دیوانی اور فوجداری عدالتیں

مسلمانوں کے دیوانی اور فوجداری معاملات کی سماعت قاضی کی عدالت میں ہوتی تھی۔ ہر شہر میں
قاضی مقرر ہوتے اور ہر بڑے قصبے میں نائب قاضیوں کی تقرری کی جاتی۔ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی

۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷-۲۸ ۲۔ عبدالجبار الجومرد، ہارون الرشید (ترجمہ رئیس جعفری) مقبول اکیڈمی لاہور، ص ۵۶۸-۶۹
۳۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ج ۱، ص ۲۸
۴۔ ابی بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد، المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ، ص ۹، م ۳-۵۰
* جوالی جالیہ کی جمع ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن ذمیوں کو عرب سے جلاوطن کیا تھا۔ ان
کو جالیہ کہا جاتا تھا۔ پھر یہ لفظ اس جزیہ کے لئے بولا جانے لگا جو ان سے وصول کیا جاتا تھا
(نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۱)

کے دور میں بغداد دارالخلافہ بنا۔ ہارون الرشید نے سب سے پہلے بغداد میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کیا یہی عدلیہ کا سب سے بڑا ذمہ دار افسر تھا۔[1] فوجداری مقدمات کی اعلیٰ ترین عدالت "دیوان الناظر فی المظالم" تھی۔ اس مجلس کی صدارت خود خلیفہ کرتا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں افسر حجابہ صدارت کرتا تھا۔ اس مجلس کے دیگر ارکان میں قاضی القضاۃ، حاجب، مملکت کے معتمدین اور مفتی شامل تھے۔ اس مجلس کے فیصلوں سے کوئی فرد مملکت خواہ وہ بڑا ہوتا یا چھوٹا، روگردانی نہ کر سکتا تھا[2]

قاضی القضاۃ

بنو عباس کے زمانے میں پہلی مرتبہ یہ عہدہ قائم ہوا۔ عباسی دور میں فقہ کی تدوین ہوئی تو کتب فقہ میں قاضیوں کے فرائض و اختیارات کے ساتھ ساتھ قاضی القضاۃ کے فرائض و اختیارات معرض تحریر میں لائے گئے اس کی حیثیت موجودہ زمانے کی چیف جسٹس کی تھی۔ قاضیوں کے تقرر و تنزل کے اختیارات اسے حاصل تھے ۱۷۵ھ میں بغداد میں ہارون الرشید نے قاضی القضاۃ کے طور پر امام ابو یوسف کی تقرری کی اور تاحین وصال ۱۸۳ھ تک یہ اس عہدے پر فائز رہے۔[3] قاضی القضاۃ کا عہدہ عباسیوں کے دور میں وزیر کے برابر تھا۔

مقدمات کی سماعت

عدل گستری سے متعلق عام شکایتوں اور مرافعوں (اپیلوں) کی سماعت عباسی خلفاء خود کرتے تھے اکثر خلفاء عباسیہ ظلم وجور کے خلاف خود مقدمات کی سماعت کرتے تھے چنانچہ الماوردی رقمطراز ہے:

"سب سے پہلے مہدی، پھر ہارون اور پھر مامون اور سب کے بعد مہتدی داد رسی کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام املاک حقداروں اور مستحقین کے پاس پہنچ گئیں"[4]۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر حکمران بذات خود ظلم کا ازالہ کرے تو ماتحت بھی اسی روش پر چلتے ہیں۔

ا۔ Amir Ali, Syed, History of Saracenes, Islamic Book Service Urdu Bazar, Lahore (N.D.), P.422

۲۔ Ibid, PP.422-23

۳۔ عبدالحفیظ صدیقی، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۷۴

۴۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ (ترجمہ سید محمد ابراہیم) ص ۱۳۸

باب دوم

فصل دوم — برصغیر پاک و ہند میں نظامِ عدل

عہدِ سلاطینِ دہلی

(ا) شاہی عدالت

(ب) دیوانِ مظالم

(ج) دیوانِ قضا

(د) عدالتِ صوبہ

(س) عدالت برائے اپیل

اورنگ زیب عالمگیر سے قبل عہدِ مغلیہ

(ا) شاہی عدالت

(ب) عدالت امور مذہبیہ

(ج) رواجی قانون کی عدالت

فصل دوم

برصغیر پاک و ہند میں نظامِ عدل

عہد سلاطین دہلی

برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کا سیاسی تعلق اس وقت شروع ہوا جب محمد بن قاسم نے ۷۱۱ء میں سندھ فتح کیا۔ اس کے بعد سندھ خلافتِ اسلامیہ کا ایک باقاعدہ صوبہ رہا اور یہاں کے نظم ونسق میں مقامی لوگوں کو شامل کیا گیا۔ محمد بن قاسم کے بعد سلطان محمود غزنوی اور معز الدین محمد غوری نے ہندوستان میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔ غزنوی اور غوری خاندان کے سلاطین کو سلاطین دہلی میں اس لئے شامل نہیں کیا جاتا کہ ان کے عہد میں دار السلطنت غزنی ہی تھا۔ سلاطینِ دہلی سے مراد وہ حکمران ہیں جن کے دور میں دار الخلافہ دہلی رہا۔ ان خاندانوں میں خاندان غلاماں، خاندانِ خلجی خاندان تغلق، خاندان سادات اور خاندان لودھی شامل ہیں۔ یہ دور ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک رہا۔ سلاطینِ دہلی کے عہدِ حکومت میں ملک کے اندر مندرجہ ذیل معروف عدالتیں مصروفِ کار تھیں:۔

(i) شاہی عدالت (ii) دیوانِ مظالم (iii) دیوانِ قضا (iv) عدالتِ صوبہ (v) عدالت برائے اپیل

شاہی عدالت

شاہی عدالت سے مراد سلطان کی عدالت تھی۔ اس عدالت میں دو قسم کے مقدمات پیش ہوتے:

۱۔ ابتدائی مقدمات ۲۔ مقدمات کی اپیل

ابتدائی مقدمات کے لئے درخواستیں پیش کرنے کا کوئی مخصوص وقت نہ تھا۔ اس مقصد کے مختلف سلاطین نے مختلف طریقے وضع کئے تھے۔

شمس الدین التمش کی داد رسی کے طریقہ کار کے بارے میں ابن بطوطہ (م ۱۳۷۷ء) نے بیان کیا ہے:

"التمش نے حکم دے رکھا تھا کہ مظلوم رنگین کپڑے پہنیں کیونکہ اہل ہند عام طور پر سفید کپڑے پہنتے تھے۔ رات کے وقت مظلومین کی فوری داد رسی کے لئے اس نے اپنے محل کے برجوں پر سنگ مرمر سے بنے ہوئے دو شیر رکھے تھے جن کی گردنوں میں لوہے کی زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں اور زنجیروں میں گھڑیال بندھے تھے۔ جب کوئی رات کو آکر زنجیر ہلاتا تو سلطان کو خبر ہو جاتی اور سلطان فی الفور اس کی داد رسی کرتا۔"[1]

"غیاث الدین بلبن کے عدل و انصاف کے بارے میں ضیاء الدین برنی نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

عدل و انصاف کرنے میں وہ اپنے بھائیوں، بیٹوں، مقربوں اور خاص لوگوں کی بھی رعایت نہ کرتا۔ اس کے مقربوں میں سے اگر کوئی ظلم کرتا تو اسے سزا دینے میں کوتاہی نہ کرتا۔ جب تک عقوبت کے خلاف مظلوم کے ساتھ انصاف نہ ہو جاتا اس کے دل کو تسکین نہ ہوتی۔ انصاف کے وقت اس کی نظر کبھی اس طرف نہ جاتی کہ ظلم میرے اعوان و انصار میں سے کس نے کیا ہے اور مصلحت ملکی کے خلاف ہوگا کہ اسے تکلیف پہنچے۔ مظلوموں اور عاجزوں کے معاملے میں وہ ماں باپ کا سا سلوک کرتا۔ چونکہ اس کے بیٹوں، مقربوں اور کارکنوں کو اس کی داد دہی اور انصاف کی کیفیت اچھی طرح معلوم تھی لہذا کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ غلام، کنیز یا پیادے پر زیادتی کرے۔"[2]

محمد بن تغلق کے دور میں سلطان کے خلاف مظالم سے متعلق استغاثہ عدالت میں دائر کیا جاتا تھا:

"ایک تاجر نے ایک بار سلطان کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو سلطان معمولی ملازم کی حیثیت سے عدالت میں جا کھڑا ہوا۔ قاضی نے سلطان کے خلاف فیصلہ دیا۔ سلطان نے اصرار کیا کہ اسے اسی مقام پر کوڑے لگائے جائیں۔"[3]

---

[1] ابن بطوطہ، رحلۃ ابن بطوطہ، دار صادر، دار بیروت، ۱۳۸۴ھ، ص ۴۲۲

[2] ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی (ترجمہ معین الحق) اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۹۳

[3] ریاض الاسلام، ڈاکٹر، تاریخ سلطنت دہلی، یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۵۳ء، ص ۱۸۵

بہلول لودھی (۱۴۵۱ - ۱۴۸۸) کا معمول تھا کہ وہ رات کے آخری پہر میں بیدار ہوتا۔ غسل کے بعد نماز تہجد ادا کرتا۔ پھر تلاوت قرآن حکیم کے بعد نماز فجر ادا کرتا۔ اس کے بعد تخت شاہی پر بیٹھ کر مظلوموں کی داد رسی کرتا اور فیصلہ کے وقت امیر و غریب کو برابر جانتا اور کسی کا لحاظ نہ کرتا[1]

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی عدل و انصاف کے معاملے میں کسی سے رو رعایت نہ کرتے۔ بڑے سے بڑے کو بھی عدالت کے تحت بھی سزا معاف نہ کرتے جس کی وجہ سے ان کے مقربین کو بھی کسی پر ظلم کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ مگر آج پاکستان میں جس پارٹی کی حکومت ہوتی ہے اس کے ایم۔ پی۔ اے اور ایم۔ این۔ اے۔ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ عصمتیں لوٹتے ہیں ان کے ملازمین لوگوں پر ظلم و ستم ان کی شہ پر کرتے ہیں مگر حکومت انھیں سزا نہیں دیتی وڈیروں کے خوف سے تھانوں میں ان اور ان کے ملازمین کے خلاف ایف۔ آئی۔ آر۔ درج نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے ملک کا نظام دگرگوں اور امن و امان مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ سیلابوں، زلزلوں اور قحط سالی کی صورت میں خدائی عذاب نازل ہو رہا ہے۔ جس خطۂ زمین میں عدل و انصاف ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول بھرپور ہوتا ہے۔

دیوانِ مظالم

تاریخ اسلام میں اگرچہ دیوان المظالم کا عملی طور پر آغاز عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو چکا تھا لیکن اس کا باقاعدہ آغاز حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم نے اپنے عہد خلافت کے نصف آخر میں کیا۔[2] عباسی خلفاء نے کبھی اس کی صدارت بذات خود کی اور کبھی اپنے وزیروں کو اس کام کے لئے مامور کیا۔

۱۔ احمد یادگار، تاریخ شاہی (ترجمہ نذیر احمد نیازی) مرکزی اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۵، ص ۲۵۵

۲۔ الماوردی، احکام السلطانیہ، ص ۸۷

دہلی میں سلطان کی عدم موجودگی میں امیر داد* دیوانِ مظالم کی صدارت کرتا تھا۔[1]

محمد بن تغلق (۱۳۲۴ء - ۱۳۵۱ء) نے مظالم کی سماعت کے لئے ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات مخصوص کئے تھے۔[2]
ان دنوں سلطان خود دربار میں عوام کی شکایات سنتا اور فیصلے کرتا۔ اس کے دور میں ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی جاتی خواہ وہ ظالم کسی عہدہ یا منصب پر فائز ہو۔ ابن بطوطہ کے بقول:

"ایک بار سلطان کے بہنوئی امیر سیف الدین نے ایک دربان کو کسی بات پر زخمی کر دیا دربان نے سلطان سے دادرسی چاہی۔ سلطان نے معاملہ قاضی کے سپرد کر دیا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ امیر سیف الدین کو ورث جو قید میں رکھا جائے۔ سلطان نے اس فیصلہ پر عمل کر دیا اور جو جاگیریں اسے دینے کا حکم دیا تھا وہ بھی منسوخ کر دیا۔"[3]

دیوان المظالم کا طریقہ کارروائی یہ تھا کہ پہلے حاجب کے پاس شکایت جاتی تھی۔ اگر حاجب کے اجلاس میں اطمینان بخش فیصلہ نہ ہوتا تو پھر مستغیث قاضی ممالک کے پاس جاتا۔ اس کے بعد آخری مرافعہ سلطان کے پاس ہوتا تھا اور مظلوم آسانی کے ساتھ بادشاہ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔[4]

سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں وزیر ہی دیوانِ مظالم کی صدارت کرتا تھا۔ وزیر کے قانونی مشورے کے لئے قاضی موجود ہوتا تھا جس کو بارہ بارہ ماہرین فقہ کی مدد حاصل تھی۔[5]

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلاطین دہلی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مظلوموں کی دادرسی کے لئے ہفتہ میں کچھ دن مخصوص کرتے تھے۔ مظلوموں کو بلا روک ٹوک بادشاہ تک رسائی حاصل تھی۔

---

1. Ishtiaq Hussain Qureshi, Administration of Saltanate Dehli, Kashmiri Bazar, Lahore, 1942, P. 150
2. Ibid
3. رحلۃ ابن بطوطہ، ص ۷۴۷
4. ایضاً، ص ۷۵۴
5. The Administration of Saltanate Dehli, P. 151

* سلاطین دہلی نے ناظر المظالم کو امیر داد کے نام سے موسوم کیا تھا۔ یہ دار السلطنت کا جج ہوتا۔ (عبد اللہ، تاریخ داؤدی، ص ۴۲)

دیوانِ قضا

دیوانِ قضا کا مخصوص دائرہ گو دیوانی مقدمات کی سماعت تھا لیکن دیوانِ سیاست★ اور دیوانِ مظالم سے بھی اس کا کچھ تعلق تھا۔ دراصل "قضا" قانونِ عام اور "سیاست" و "مظالم" انتظامی قانون کی اساس تھی۔[1] دیوانِ قضا اور مملکت کے عدلیہ کا صدر قاضی ممالک ہوتا تھا جس کو قاضی القضاۃ بھی کہتے تھے۔[2] سلاطین دہلی کے عہد میں صدر الصدور کا عہدہ بھی اسی سے وابستہ کر دیا گیا۔ چونکہ قاضی القضاۃ پر بڑی اہم ذمہ داریاں تھیں اس لئے اس کی مدد کے لئے ایک "نائب قاضی" بھی ہوتا تھا۔ محکمہ عدلیہ اور محکمہ امور مذہبیہ کے تمام امور اس سے متعلق تھے۔ وہ اپنے ماتحت عدالتوں کے مرافعے سماعت کرتا تھا اور مقامی قاضیوں کا تقرر بھی کرتا تھا۔[3]

ابتدا میں قاضی القضاۃ ہی دہلی میں ابتدائی مقدمات کی سماعت کرتا تھا لیکن بعد میں دارالسلطنت کے لئے ایک علیحدہ قاضی مقرر ہو گیا۔ اس عہدہ پر ابن بطوطہ کا بھی تقرر ہوا تھا اور اس کو بارہ ہزار تنکہ★★ سالانہ دیئے جاتے تھے۔ ابن بطوطہ کی مدد کے لئے مزید دو قاضی مقرر تھے۔ دارالسلطنت کے قاضی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ خود سلطان نے ابن بطوطہ کو ہماری سرکار اور آقا کے لقب سے خطاب کیا۔[4]

---

[1] محمد عبد الحفیظ صدیقی، پروفیسر، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۹۲

[2] Ishtiaq Hussain Qureshi, The Administration of Saltanate Dehli, P. 107

[3] Ibid, P. 151

[4] برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۹۳

★ محمد تغلق نے دیوانِ سیاست کے نام سے ایک جداگانہ محکمہ قائم کیا تھا جس کے لئے خاص فقہا مقرر تھے۔ (برنی، ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، ص ۵۰۶-۵۰۷)

★★ سلاطین دہلی کے دور میں یہ سونے اور چاندی کا سکہ ہوتا تھا جس کی مالیت ۱۰۰ جیتل (پیسہ) کے برابر ہوتی تھی۔ یہ سکہ اشرفی کے معنوں میں آتا۔ (احمد یادگار، تاریخ شاہی، ص ۵ در حاشیہ)

عدالت صوبہ

سلطنت دہلی میں صوبوں کے گورنر سلطان کی نمائندگی کرتے اور گورنر بھی سلطان کی طرح استغاثوں اور مرافعوں (اپیلوں) کی سماعت کرتا۔ ابتدائی مقدمات کی سماعت کرکے گورنر فیصلے کرتا۔ تسلی نہ ہونے کی صورت میں فریق مقدمہ سلطان کے پاس اپیل کرتا۔ جب گورنر کے پاس صوبے کے دیگر عہدہ داروں کے خلاف مرافعہ ہوتا تو اس کی سماعت کے لئے ایک مجلس منعقد ہوتی۔ اس میں قاضی صوبہ بھی شامل ہوتا مگر قاضی صوبہ کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی صورت میں قاضی صوبہ مجلس کا رکن نہ ہوتا۔ اگر کسی کو اس مجلس کے فیصلے پر تشفی نہ ہوتی تو پھر وہ شاہی عدالت کی طرف رجوع کرتا[1]۔ صوبے کا سب سے بڑا قاضی، قاضی صوبہ تھا۔ اس کے پاس دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات آتے۔ قاضی صوبہ صوبے کے تمام نظام عدلیہ کا انچارج تھا۔ اس کے اختیارات غیر محدود تھے۔ اضلاع سے اس کے پاس مرافعے آتے تھے[2]۔

عدالت برائے اپیل

اس عدالت کی تشکیل محمد تغلق نے کی تھی۔ اس عدالت میں داد رسی کے لئے درخواست ہر وقت دی جا سکتی تھی۔ اس عدالت میں چار مفتی تھے۔ ان مفتیوں کی رہائش بھی شاہی محل میں تھی۔ اگر رات کے وقت بھی کوئی مظلوم ان کے پاس آتا تو سلطان خود متعلقہ مجرم کے متعلق مفتیوں سے خاص بحث کرتا[3]۔ محمد تغلق نے مفتیوں کو یہ بھی تاکید کی تھی کہ سچ کہنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ اگر کوئی شخص ناحق مارا گیا تو اس کا مواخذہ انہی کی گردن پر ہوگا۔ اس عدالت اپیل میں سلطان کے علاوہ دیوان القضاء، دیوان الرسالت دیوان الوزارت، دیوان العریض کے سیکرٹریوں کے علاوہ متعدد عمائدین سلطنت شرکت کرتے[4]۔

---

[1] محمد عبدالحفیظ صدیقی، پروفیسر، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۱۰۳

[2] ایضاً، ص ۱۰۳ - ۱۰۴

[3] بدایونی: عبدالقادر ملوک شاہ، منتخب التواریخ (ترجمہ محمود احمد فاروقی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۲، ص ۱۴۴

[4] ایضاً

عالمگیر سے قبل عہد مغلیہ میں نظامِ عدالت

مغلیہ خاندان کا بانی ظہیر الدین بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء کو فرغانہ* کے مقام پر پیدا ہوا۔ ہندوستان پر تیموری حملے کے باعث بابر اسے اپنی میراث سمجھتا تھا۔ پانی پت کے میدان میں بابر کا ابراہیم لودھی سے مقابلہ ہوا جس میں ابراہیم لودھی ہار گیا اور ۲۴ اپریل ۱۵۲۶ء کو بابر نے دہلی کو فتح کر لیا۔[۱]

بابر کے بعد ہمایوں اور اکبر نے ہندوستان پر حکومت کی۔ اکبر نے ہندوؤں سے شادی کی اور اس قربت کی وجہ سے ہندوؤں کو جزیہ** معاف کر دیا۔ ابوالفضل اور فیضی کی شہ پر ہندوؤں کو قریب کرنے اور اپنے آپ کو مذہبی رہنما کی حیثیت دینے کے لئے ایک نیا دین، دینِ الٰہی جاری کیا۔ اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ وہ بڑا انصاف پسند حکمران تھا۔ اس نے مظلوموں کی دادرسی کے لئے محل کے دروازے پر ایک زنجیر جو "زنجیرِ عدل" کے نام سے مشہور ہے، لٹکوا دی تھی۔[۲] جہانگیر کے بعد شاہجہان نے ہندوستان پر حکومت کی۔ ۱۶۵۸ء میں اورنگزیب عالمگیر تختِ حکومت پر بیٹھا۔ مغل تاجداروں میں صرف عالمگیر نے دوربین نگاہوں سے دیکھا کہ ہندوستان میں مضبوط اسلامی حکومت کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا ڈنکا بجایا جائے اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی اشاعت کی جائے[۳] اور دینِ الٰہی کے اثرات ختم کئے جائیں اور اکبر کی طرف سے پھیلائے گئے خلافِ سنت امور کو مٹایا جائے۔ عالمگیر کے بعد کوئی مغلیہ حکمران سلطنت کو نہ سنبھال سکا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ساتھ مغلیہ حکومت ختم ہو گئی۔

۱۔ بابر، ظہیر الدین، تزکِ بابری (ترجمہ رشید اختر ندوی) سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۹۰

۲۔ ایم اسلم، تنگ و تاز، مکتبہ نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۶۷-۶۸

۳۔ ایضاً، ص ۳۷

* یہ جگہ اب قوقند کے نام سے روسی ترکستان میں ہے (منتخب التواریخ، ص ۱۶۹)

** جزیہ ایک شرعی ٹیکس ہے جو جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے بدلے غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے (قانونِ اسلام کے مطابق یا تو غیر مسلم مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دیں۔ جزیہ کی ابتدا خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ ہند میں فیروز شاہ تغلق نے اسے جاری کیا۔ (تنگ و تاز، ص ۶۸ در حاشیہ)

مغل بادشاہوں کا تصورِ عدل

مغل بادشاہوں کا خیال تھا کہ رعیت کے تمام معاملات میں بادشاہ اُن کی رہنمائی کرے اور اُن کے درمیان عدل و انصاف کرے۔ شاہ جہاں کے قول کے مطابق:

"اللہ تعالیٰ کا کسی انسان کو اقتدار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ دنیا جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ان کے سایہ انصاف میں امن سے رہیں۔ اس لئے بادشاہوں کو زیب نہیں کہ عدل و انصاف کے راستے سے منحرف ہوں۔ کیونکہ ظلم و ستم کا راستہ بادشاہ حقیقی کو پسند نہیں۔"[1]

ان خیالات و نظریات کے پیشِ نظر مغل بادشاہوں نے مظلوموں کی دادرسی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ زمین پر صرف خدا تعالیٰ کے نائب ہیں۔

مغلوں کے نظامِ عدالت کی ہیئتِ ترکیبی مندرجہ ذیل تھی:

۱۔ شاہی عدالت ۲۔ عدالتِ امورِ مذہبیہ ۳۔ رواجی قانون کی عدالت

شاہی عدالت

عدالت شاہی کے متعلق اشتیاق حسین قریشی رقمطراز ہے:

"سلطان بحیثیت نافذ قانون و سربراہ مملکت تین طرح کے فرائض سرانجام دیتا تھا جن کا تعلق عدل گستری سے تھا۔ وہ حامیٔ دین مبین اور رعایا کے تنازعات میں ثالث ہوتا تھا۔ وہ عمال حکومت کا سربراہ ہوتا تھا وہ افواج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ اپنی پہلی حیثیت میں وہ دیوانِ قضا کے ذریعے انصاف پروری کرتا تھا۔ دوسری حیثیت میں وہ دیوانِ مظالم کے ذریعہ ظلم و تعدی کا ازالہ کرتا تھا اور تیسری حیثیت میں وہ خود یا اس کے اعلیٰ فوجی عہدہ دار فوجی عدالت کی حیثیت سے باغیوں کے مقدمات سنتے تھے۔"[2]

---

[1] لاہوری: عبدالحمید، بادشاہ نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۸۶۸ء، ج ۱، ص ۲۳۱

[2] Qureshi, Administration of saltanate Dehli, P. 157

شاہی عدالت کے بارے محمد بشیر احمد یوں اظہار خیال کرتا ہے:

The Emperor like the sultans of Delhi was the head of the Judicial and the Executive departments and the Centre of all civil and Military Authority ruling as an absolute monarch, the Shodow of God. All state officials were appointed by him.[1]

یعنی دہلی کے سلاطین کی طرح مغل بادشاہ عدلیہ اور انتظامیہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ شہری اور فوجی معاملات میں اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مطلق العنان بادشاہی کے اختیارات کا حامل تھا اور ظل الٰہی کہلاتا تھا۔ ریاست میں افسران بالا کی وہی تقرری کرتا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہریوں اور فوجیوں میں پیدا ہونے والے تنازعات کے فیصلے بادشاہ کرتا تھا۔ ملک میں عدل و انصاف کا انعقاد اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ ریاست کا سب سے بڑا قاضی اور عدل کا سرچشمہ تھا۔ وہ ابتدائی دیوانی اور فوجداری مقدمات کا بھی فیصلہ کرتا اور اپیل کی صورت میں بھی سماعت کرتا وہ قاضی القضاۃ اور اس کی عدالت کے قاضیوں پر مشتمل بنچ کی صدارت کرتا۔ وہ قانون اور حقائق سے متعلقہ قضیوں کا بھی فیصلہ کرتا۔[2] وی۔ ڈی۔ مہاجان نے بھی شاہی عدالت کو اپیل کی سب سے بڑی عدالت کہا ہے۔[3]

مغل بادشاہوں نے اہم مقدمات کی سماعت کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا۔

---

1. The Administration of justice in Medieval India, The Aligarh Historical Research Institute, Aligarh, 1941, PP. 133-34
2. Ibid, p. 134
3. The Mughal Rule in India, p. 207

اکبر ایسے مقدمات جمعرات کو، جہانگیر منگل کو اور شاہ جہاں بدھ کو سنتا تھا۔ یہ عدالت دیوان خاص میں منعقد ہوتی۔ جہاں پر صرف مفتی، فقہاء، علماء اور بعض امرا طلب کئے جاتے۔ [1]

واحد حسین نے شاہ جہاں کی عدالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

شاہ جہاں بدھ کو عوامی عدالت منعقد نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس دن وہ خاص نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کرتا۔ وہ جھروکے کے لئے دیوان خاص میں پہنچتا۔ صبح کے آٹھ بجے سے لیکر دوپہر تک یہاں فیصلے کئے جاتے تھے۔ [2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مغلیہ خاندان کے بادشاہ لوگوں کے مقدمات کا خود فیصلہ کرتے انھیں اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ عدل سے ملک آباد اور ظلم سے برباد ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ مقدمات کی سماعت کرتے اور بے لاگ فیصلے کرتے۔ مقدمے کی سماعت کے بارے ابن حسن لکھتا ہے:

"دادخواہوں کو یکے بعد دیگرے شاہ جہاں کی عدالت میں پیش کیا جاتا تھا۔ بادشاہ مظلوموں کے کے بیانات سنتا اور شائستگی سے جرح کرتا تھا اور پھر شاہ جہاں دربار میں موجود علماء کے فتویٰ کے مطابق فیصلہ صادر کرتا۔ جب عرضداشتیں بادشاہ کے سامنے پیش ہوتیں تو انھیں پڑھ کر سنایا جاتا تھا اور متعلقہ اشخاص کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ خود بھی موقع پر حاضر رہیں۔ ان کا بیان بادشاہ خود سنتا اور اکثر موقع پر ہی مظلوم کی دادرسی کرتا تھا۔ وہ دارالقضاء میں جسے عدالت خانہ کہتے تھے، ہفتے میں ایک دن دو قاضیوں کے ساتھ موجود رہتا تھا۔ [3]

---

1. Ibne Hasan, The Central Structure of the Mughal Empire, Oxford University Press, Bombay, 1936, P. 317
2. Wahed Hussain, Administration of Justice during the Muslim rule in India, University of Culcutta, 1934, PP. 39-40
3. The Central Structure of the Mughal Empire, P. 318

مغل بادشاہوں کے نزدیک ریاست میں عدل و انصاف کا قیام ایک خدائی فریضہ تھا جسے ایک آزاد ریاست کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ مغل بادشاہ نہایت غور و فکر کر کے مقدمات کے فیصلے کرتے اکبر مظلومین کے مقدمات کی تفتیش کے دوران کسی شخص کی شہادت یا قسم پر اعتماد نہ کرتا۔ کیونکہ چالاک اشخاص انہی چیزوں کا سہارا لیتے تھے بلکہ وہ بیانات کے تضاد، قیافہ شناسی اور اعلیٰ فکر کے ذریعے نتیجہ نکالتے گویا سچائی کو اس کے مقام پر رکھا جاتا۔[۱]

دور اکبری کے ایک ممتاز گورنر سعید خاں چغتا (والیِ پنجاب) کا ایک افسر غریبوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا۔ جہانگیر کو جب اس کی شکایت ہوئی تو اسے یہ پیغام بھیجا:۔

"میرا دل ظلم برداشت نہیں کر سکتا خواہ اس کا مرتکب کوئی ہو۔ میزانِ عدل میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ اگر آئندہ تمہارے آدمیوں کے متعلق ظلم و تعدی کی شکایت آئی تو تمہیں بلا رو رعایت سزا دی جائے گی۔ تب سعید نے تحریری وعدہ کیا کہ میرے ملازمین اگر ظلم سے باز نہ آئے تو میں اپنا سر قلم کرا دوں گا۔"[۲]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مغلیہ بادشاہ اپنے ماتحتوں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے وہ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی عدل و انصاف کا فریضہ فراموش نہ کرتے تھے جیسا کہ بی۔ پی سکسینہ نے بیان کیا ہے:

"شاہ جہاں سفر کے دوران بھی روزمرہ کے معمولات جاری رکھتا۔ سفر یا مہم پر ہونے کے باوجود قاضی کی عدالت بدستور منعقد ہوتی۔ شاہ جہاں نے لاہور میں اس مقصد کے لئے ایک ہال بنوا رکھا تھا وہ جب بھی لاہور آتا تو لوگ اپنی عرضداشتیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے۔"[۳]

---

1. Abu-L-Fazl, The Akbar Nama, tr. by H. Beveridge, Book Trader, Lahore (N.D.) Vol. 3, P. 373

۲۔ صمصام الدولہ شاہنواز خاں، مآثر الامرا (ترجمہ محمد ایوب قادری) مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۰ء، ج ۲، ص ۵۸۱

3. History of Shah Jahan of Delhi, Book Trader, Lahore (N.D.) P. 240

عدالت امور مذہبیہ

شاہی عدالت کے بعد دوسری اہم عدالت "عدالتِ امورِ مذہبیہ" تھی جس میں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ اس عدالت کے بارے وا حد حسین لکھتا ہے:

The court of canon law used to deal with the cases involving the personal law of the Muslim and the infringement of the religious injunctions.[1]

یعنی شرعی قوانین کی عدالتیں مسلمانوں کے نجی معاملات کے مقدمات کا فیصلہ کرتیں اور مذہبی فرامین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دیتیں۔ عدالت امور مذہبیہ میں قاضی القضاۃ اور قاضی مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔ بادشاہ کے بعد قاضی القضاۃ ملک کی اہم شخصیت ہوتی تھی بادشاہ ہی قاضی القضاۃ کا انتخاب کرتا۔ متبحر علماء اور اعلیٰ کردار کے حامل متقی افراد کو اس عہدے کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ قاضی القضاۃ عدلیہ کا سربراہ تھا۔ وی۔ ڈی۔ مہاجن کے بقول:

The Qazi-ul-Qazat was the Highest Judicial officer of the country. He was responsible for the proper and efficient administration of justice[2]

یعنی مغلیہ دور میں قاضی القضاۃ ملک میں عدلیہ کا سب سے بڑا افسر تھا۔ وہ ملک میں عدل وانصاف کے لئے مناسب اور اثر آفریں انتظامات کا ذمہ دار تھا۔ قاضی القضاۃ عدالتی نظام کے بارے میں بادشاہ کو مشورے دیتا۔ صوبہ جات میں قاضی مقرر کرتا۔ فوجداری اور دیوانی مقدمات کی اپیلیں سنتا۔

---

1. Administration of Justice during the Muslim Rule in India, P.27
2. R.R. Sethi and V.D. Mahajan, Mughal Rule in India, S. Chand and Co. Delhi, 1957, P. 202

قاضی القضاۃ کے بعد دوسری عدالت قاضی کی ہوتی تھی۔ اسلامی نظام عدل میں قاضی کا منصب نہایت اہم ہے۔ قاضی کے فرائض کے سلسلہ میں وی۔ ڈی۔ مہاجان لکھتا ہے "قاضی مسلمانوں اور ہندوؤں کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ہندوؤں کے فیصلے نپٹانے میں اُن کے رسم و رواج کا خیال رکھتے۔ قاضی غیر جانبدار ہو کر نہایت دیانتداری سے فیصلے کرتے۔"[1]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلموں کے فیصلے میں اُن کے اپنے قوانین اور رسم و رواج کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر کسی قضیئے میں مسلمان اور ہندو مخالف فریق ہوتے تو اُن میں سے جو حق پر ہوتا فیصلہ اسی کے حق میں کر دیا جاتا تھا۔ اس وقت کے قاضیوں کی غیر جانبداری اور دیانتداری کی شہادت غیر مسلموں نے بھی دی ہے۔

قاضی کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں آئین اکبری میں لکھا ہے۔ "قاضی کے لئے ضروری ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہر جزوی اور کلی واقعات کی بابت سوال کرے۔ معاملے کے رطب و یابس کی تحقیق و تفتیش کرے۔ ہر قسم کے سوالات اور گفتگو سے واقعہ کی تہ تک پہنچے۔ گواہوں کے بیانات کو معرض تحریر میں لائے ۔۔۔ اور قوتِ امتیازی سے کام لیکر صداقت و راستبازی کے ساتھ معاملے کو انجام تک پہنچائے۔"[2]

مغلیہ دور میں عدالتی کاروائی کے دوران قاضی فریقین کی موجودگی میں گواہوں پر جرح کرتے اور پوری تحقیق کے بعد مقدمہ زیر بحث کا فیصلہ کرتے۔ مقصد یہ تھا کہ رعیت کو بلا تاخیر انصاف ملے مظلوموں کی فوراً داد رسی ہو۔ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد کروانا میر عدل کا کام تھا۔ قاضی کی عدالت میں مذہبی اور شرعی معاملات از قسم نکاح، طلاق، وراثت، لین دین اور شرعی حدود کے متعلق بھی فیصلے ہوتے تھے۔

1۔ Mughal Rule in India, pp. 206-207

2۔ ابو الفضل، آئین اکبری کا ایک قدیم نسخہ جس کے ابتدائی چند اوراق پھٹے ہونے کی وجہ سے ص ۲۱۲، ۲۱۳ پبلشر اور سن طباعت معلوم نہیں ہو سکا۔ مذکورہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کیٹلاگ نمبر الف۔ آئین ۹۵م۶۵۲۴۴ کے تحت موجود ہے۔

رواجی قانون کی عدالت

مغلیہ دور میں تیسری عدالت رواجی قانون کی عدالت تھی۔ رواجی قانون سے مراد ایسا قانون جو لکھا ہوا نہ ہو اور جس کی بنیاد ملکی رسم و رواج اور عدالتی فیصلوں پر ہو۔ رواجی قانون کی عدالت میں مندرجہ ذیل عدالتیں ہوتی تھیں:۔

دیوان اعلیٰ کی عدالت ، میر عدل کی عدالت ، صدر جہان کی عدالت

وارد حسین دیوان اعلیٰ کے اختیارات کے بارے رقمطراز ہے:

The High Diwan was more concerned with the appointment and disposition of the High Official and Judiciaries than with the trial of cases, but he had the power to try cases, especially to hear appeals, as appeals lay to his court from the court of first instance.[1]

یعنی دیوان مقدمات نبٹانے سے کہیں زیادہ افسران بالا اور عدلیہ کے قاضیوں کی تقرری اور معزولی پر اپنی توجہ صرف کرتا تھا مگر اسے مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ خاص طور پر ماتحت عدالتوں کے خلاف اپیلیں سننے کا مجاز تھا۔ ابوالفضل میر عدل کے فرائض کے سلسلہ میں بیان کرتا ہے:

"میر عدل کا اہم فریضہ یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں صرف گواہوں کی شہادت اور حلف وقسم پر اعتبار نہ کرے بلکہ ہر قسم کی تحقیقات کرنے سے معاملے کی تہ تک پہنچے"[2]

---

[1] Administration of justice during the muslim Rule in India, p. 71

[2] ابوالفضل، آئین اکبری، ص ۲۸۳

صدر جہاں کی عدالت کے بارے میں واحد حسین کے بقول:

The sadr and the sadr-i-Jahan were directly connected with the management of the endowed properties and rent-free land, as also with the distribution of charities and stipends. They used to decide cases of dispute relating to these matters.[1]

یعنی صدر اور صدر جہاں وقف شدہ جائیدادوں کا انتظام کرتے۔ اس کے علاوہ کرایے کے بغیر زمینوں کا انتظام بھی ان کے ذمے تھا۔ مستحق افراد میں صدقات اور وظائف تقسیم کرتے۔ وہ انہی معاملات سے متعلقہ مقدمات کا فیصلہ کرنے پر بھی مامور تھے۔

صدر جہاں حکومت کی طرف سے یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں اور مسکینوں کو صدقات تقسیم کرتا۔ طلباء کو وظائف اور علماء کو جاگیریں دیتا۔ مساجد، مدارس اور مندروں کو ہر قسم کی سرکاری امداد اس کی سفارش پر دی جاتی تھی۔ صوبائی صدور اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔

الغرض کسی نظام کی خوبی یا خامی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہوا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مغلوں کا نظام عدل و انصاف موجودہ زمانے کی عدالتوں اور ان کے قوانین پر بھاری نظر آئے گا۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ مغلیہ دور میں جرائم موجودہ دور کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ لوگوں میں خوف خدا کے ساتھ ساتھ قانون کا بھی خوف تھا۔ قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاقت یا فرد انصاف کے معاملات میں دخل اندازی نہ کر سکتا تھا۔ یورپین ممالک کی طرح منصب داروں اور عہدہ داروں کے لئے علیحدہ عدالتیں نہ تھیں۔ رعیت اور حکام کا ایک ہی جج تھا اور ایک ہی قانون۔

---

[1] Administration of Justice during the muslim rule in India, p. 71

باب سوم

اسلامی نظام عدل کے قیام میں اورنگزیب عالمگیر کی جدوجہد

فصل اوّل   فتاویٰ عالمگیری کی تدوین

(ا) اورنگ زیب عالمگیر کی ولادت اور کردار

(ب) فتاویٰ عالمگیری کا پس منظر

(ج) فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں عالمگیر کی شرکت

(د) فتاویٰ عالمگیری کے مضامین

(ر) فتاویٰ عالمگیری کا مقام

(ہ) فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات

(و) مقام مؤلفین

باب سوم

فصل اوّل فتاویٰ عالمگیری کی تدوین

اس سے قبل کہ فتاویٰ عالمگیری کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے یہ بات قرینِ انصاف معلوم ہوتی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی پیدائش، کردار اور وصال کو مختصراً بیان کیا جائے

اورنگزیب عالمگیر کی ولادت اور کردار

عالمگیر کی ولادت ۱۶۱۸ء میں "دھود" کے مقام پر ہوئی۔ دھود احمد آباد اور مالوہ کی سرحد پر واقع ہے۔ تاریخ ولادت "آفتاب عالمتاب" سے نکالی گئی ہے۔[1]

اورنگ زیب عالمگیر ابتدائی عمر سے ہی زہد و تقویٰ کی طرف مائل تھا۔ فسق و فجور اور کبائر سے وہ اس قدر محتاط رہا کہ عنفوانِ شباب سے زندگی کے آخری لمحے تک اس نے اپنے آپ کو ہر لغوت سے محفوظ رکھا۔ کبھی کسی حرام کام میں مبتلا نہ ہوا حالانکہ ہندوستان کی وسیع سلطنت اس کے زیرِ فرمان تھی وہ جو چاہتا، کرسکتا تھا مگر کبھی اقتدار کا نشہ اسے زیر نہ کرسکا۔[2]

اس کے کردار کے بارے میں ماثرِ عالمگیری میں ہے:

---

[1] خافی خان: محمد ہاشم، منتخب اللباب (ترجمہ محمود احمد فاروقی) نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء ص ۲۲

[2] ایضاً، ص ۱۹

"اورنگ زیب عالمگیر اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور ان کے اجرا میں بے حد کوشاں رہتے تھے۔ ہمیشہ باوضو رہتے۔ نماز اول وقت جماعت کے ساتھ پڑھتے۔ ایام بیض کے روزوں کے پابند تھے ہفتہ میں پیر، جمعرات اور جمعۃ المبارک کا بھی روزہ رکھتے۔ جمعۃ المبارک کی نماز تمام مسلمانوں کے ساتھ ادا کرتے۔ مقدس راتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ دولت خانے کی مسجد میں ساری رات اہل اللہ کے ساتھ گفتگو کرتے۔ زکوۃ شرعی ادا کرنے میں خاص اہتمام کرتے۔ رمضان کا مہینہ ادائے صوم کا پابندی سنن اور تراویح وغیرہ عبادات دینی میں صرف ہوتا تھا۔ رمضان شریف کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔۔۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کبھی غیر مشروع لباس نہیں پہنا۔ سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے سے پرہیز کیا۔ اس کی مجلس میں کذب و غیبت سے پرہیز کیا جاتا تھا۔"[1]

وہ تفسیر و حدیث اور فقہ کے علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ امام غزالی کی تصنیفات اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا۔ شیخ زین الدین اور قطب محی الدین شیرازی کے رسائل زیر مطالعہ رکھتا۔ عالمگیر نے اقتدار ملنے کے بعد قرآن مجید حفظ کیا۔ اسے خط نسخ، نستعلیق اور شکستہ میں مہارت حاصل تھی۔ اس نے دو قرآن مجید اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے خوبصورت جلد بندی کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر عقیدتاً رکھوا دیئے۔[2]

عالمگیر کا وصال

وصال کے بارے میں مآثر عالمگیری میں ہے:

---

[1] محمد ساقی: مستعد خاں، مآثر عالمگیری (ترجمہ محمد فدا علی طالب) نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۷ء ص ۲۵-۲۲

[2] ایضاً، ص ۲۵-۲۶

اورنگ زیب عالمگیر نے تحریراً یہ وصیت کی تھی کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے کے بعد خاکسار کو جلد از جلد منزلِ اول کی طرف پہنچا دیا جائے۔ اٹھائیس ذی قعد ۱۱۱۸ھ جمعۃ المبارک کی صبح کو فجر کی نماز کے لئے خواب گاہ میں چلے گئے۔ آپ باوجود غلبۂ بے ہوشی یاد مولی سے غافل نہ تھے اور عین عالمِ نزع میں کرب و اضطراب کے باوجود تسبیح و تکبیر میں مشغول رہے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اس دارِ فانی سے سفر کے لئے جمعہ کا دن متبرک ہے۔ اُن کی یہ آرزو پوری ہوئی اور اسی روز ایک پہر گزرنے کے بعد جب آپ ماسوی سے کنارہ کش ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ روح پر فتوح نے روضۂ جنت کی راہ لی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔[1]

تدفین

دولت آباد میں حضرت شیخ برہان الدین شاہ زری زر بخش اور دوسرے بزرگان دین کے مزارات کے درمیان مرحوم بادشاہ کو دفن کیا گیا۔[2]

---

[1] محمد ساقی، مآثرِ عالمگیری، ص ۱۷ – ۱۸

[2] خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۵۷۴

فتاویٰ عالمگیری کا پس منظر

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) سے قبل اسلامی دنیا میں فقہ کی کئی مستند کتابیں رائج تھیں لیکن پاک وہند تو درکنار پوری اسلامی دنیا میں فقہ حنفی کی کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جس سے ایک عام مسلمان مفتی بہا مسئلے کو اخذ کر سکے اور احکام شرعیہ سے بخوبی واقف ہو سکے۔ محمد ساقی فتاویٰ عالمگیری کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اورنگ زیب عالمگیر کی یہ کوشش تھی کہ تمام اہل اسلام مفتی بہا مسائل پر عمل کریں اور حنفی مذہب کے ممتاز مشرب کا ہندوستان میں رواج ہو۔ چونکہ فقہ کی کتابوں میں مسائل ضعیف اور مختلف اقوال کے ساتھ منقول ہیں اور ایک مقام پر یکجا نہیں ہیں۔ اس لئے ایک کتاب جس میں سارے متفقہ مسائل موجود ہوں اور قاری کو مسئلہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو، کی اشد ضرورت تھی۔ عالمگیر نے ان امور پر لحاظ فرما کر ہندوستان کے مشاہیر علماء کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ تمام فقہ کی کتابوں سے مفتی بہا مسائل کا انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کریں اس گروہِ علماء کے صدر شیخ نظام مقرر ہوئے۔ اس کارِ خیر کو انجام دینے والے علماء کے وظائف و دیگر اخراجات کی منظوری دی گئی۔ دو لاکھ روپے کے خرچ سے یہ کتاب تیار ہو کر "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے موسوم ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے علماء اور طلباء کو تمام کتب فقہ سے بے نیاز کر دیا۔[1]

---

[1] محمد ساقی، مآثر عالمگیری (ترجمہ محمد فدا علی طالب) ص ۲۲۴

البصیر، عالمگیر نمبر، اسلامیہ کالج چنیوٹ، ج ۴، شمارہ ۱، مئی ۱۹۶۲ء، ص ۱۲۹-۳۵

شیخ محمد اکرام نے بھی یہی پس منظر بیان کر کے مزید لکھا ہے کہ فقہ کے تمام پہلوؤں پر محیط یہ کتاب آٹھ سال کی محنت شاقہ کے بعد تیار ہوئی۔ معاصرانہ تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اس کی تدوین و تالیف میں خود شریک تھا۔ وہ کتاب کا ایک صفحہ روزانہ ملا نظام سے سنا کرتا تھا اور اس پر جرح و قدح کرتا تھا۔[1]

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ موصوف فقہ اسلامی میں گہری دلچسپی لیتا تھا اور وہ اپنی مملکت میں ایک ایسا عدالتی نظام قائم کرنے کا متمنی تھا جو تقاضائے اسلام کے عین مطابق ہو۔ بقول محمد سعید میاں اورنگ زیب عالمگیر کو قانون پڑھانے کا شوق تھا۔ اس نے ماہرین قانون اسلامی سے فتاویٰ ہندیہ عرف فتاویٰ عالمگیریہ کو عدالتی قانون کی حیثیت سے مرتب کروا دیا۔[2]

منشی محمد کاظم نے فتاویٰ کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب اس لئے مدون کروائی گئی تا کہ ہر شخص اس کتاب سے متنازعہ فیہ مسئلہ کو سمجھ سکے اور مسلمان قاضی اور مفتی بھی بہت سی کتابوں کو جمع کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس کام کی ذمہ داری شیخ نظام کے سپرد کی گئی تا کہ علماء کے اتفاق رائے سے مسائل کو ایک کتاب میں جمع کریں۔ ہندوستان کے اطراف و جوانب سے علماء فقہ کو شاہی فرمان کے ذریعے طلب کیا گیا۔ یہ تمام علماء و فضلاء معقول وظیفے کے ساتھ اس کام میں مشغول ہو گئے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ شاہی کتب خانے سے مہیا کر دی گئیں ہر سال ایک خطیر رقم خزانہ شاہی سے اس کتاب کی تیاری میں خرچ کی جاتی۔[3]

---

[1] محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، فیروز سنز لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۵۴۰-۵۴۱

[2] محمد سعید میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، کتب خانہ رشیدیہ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۵۵۶

[3] محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۸۶۸ء، ج ۲، ص ۱۰۸۶-۸۷

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کتنے علماء شامل تھے اس کے بارے سید امیر علی کہتا ہے:

"فتاویٰ عالمگیری سلطنت کی سرپرستی میں بے شمار معتمد کتب و شروح آئمہ و فتاویٰ مشائخ سے پانچ سو علماء کرام نے مدون کی"[1] سید ہاشمی فرید آبادی فتاویٰ کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ دورِ مغلیہ کا ایک علمی اور ملی کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے۔ یہاں بھی اکبر و عالمگیر کی افتادِ طبع کا فرق صاف نظر آتا ہے کہ اکبر تاریخ الفی کی تالیف اور مہابھارت جیسی سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کے لئے اہل علم کو جمع کرتا ہے اور عالمگیر نے فقہ اسلامی کی بے مثال کتاب کی تالیف کے لئے علماء کرام کو جمع کیا۔ یہ کتاب آٹھ سال میں دو لاکھ کے صرف کثیر خرچ سے مرتب ہوئی۔ کتاب کے مسودات عالمگیر کو سنائے جاتے اور وہ اصلاح کرتے۔ شیخ نظام کے تحت کئی ذیلی جماعتیں کام کرتیں فقہ کی تمام معتبر کتابوں سے ایک ایک مسئلے کی اچھی طرح چھان بین کر کے سابقہ ضروری توضیح و تشریح کے مع اسناد کے حوالوں سے قلمبند کئے جاتے۔ فتاویٰ کی تدوین کرنے والوں میں اکثر حضرات بہار کے مشہور فاضل تھے۔ تین چار نام دہلی، لاہور اور سندھ سے نسبت رکھتے ہیں۔[2] سید احمد اکبرآبادی فتاویٰ مدون کرنے کا مقصد اس طرح بیان کرتا ہے:

"عالمگیر علماء اور بزرگوں کی حد درجہ قدردانی کرتا تھا۔ اس نے ملک کا انتظام شرعِ اسلام کے اصولوں پر قائم کیا تھا۔ اس نے نامور علماء سے فقہ حنفی کی یہ ضخیم کتاب اس لئے مرتب کروائی تاکہ اسلامی قوانین یکجا و مرتب ہو جائیں اور ان کی روشنی میں محکمۂ قضا فیصلے کرے۔"[3]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، مقدمہ (ترجمہ سید امیر علی) مطبعہ نولکشور لکھنؤ، ۱۹۳۲ء، ج ۱، ص ۲۰۸

[2] سید ہاشمی فرید آبادی، محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۴۰۱ - ۴۰۲

[3] سعید احمد اکبرآبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال، ادارہ اسلامیات لاہور (س۔ن) ص ۳۳۲

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں عالمگیر کی شرکت

فتاویٰ کی تالیف میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا۔ کام کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا جن میں ہر حصہ ایک عالم کے سپرد ہوا★ اور ہر عالم کی مدد و اعانت کے لئے دس عالم مقرر تھے۔ ہر عالم اپنے اپنے حصے کا ذمہ دار تھا۔ اخذ و استنباط میں سہو و خطا کی باز پرس ملا نظام کیا کرتا تھا۔ پھر عالمگیر چند صفحات کا تنقیدی جائزہ لیتا تھا۔ مولوی مجیب اللہ عالمگیر کی عملی شرکت کے بارے رقمطراز ہے:

"... عالمگیر ذاتی طور پر فتاویٰ کی تدوین میں کافی دلچسپی لیتا تھا اور روزانہ اس کے دو★★ چار صفحے خود علمی و تنقیدی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کی فروگذاشتوں اور خامیوں پر ملا نظام الدین کو متوجہ کرتا رہتا تھا (...) ایک دن جب حسب معمول ملا نظام نے ان صفحات کو عالمگیر کے سامنے پڑھا تو جلدی میں حاشیہ کی عبارت کو متن سے ملا دیا جس سے مطلب خبط ہو گیا۔ بادشاہ نے ٹوکا اور پوچھا کہ یہ عبارت کیسی ہے؟ ملا نظام اس وقت کوئی جواب نہ دے سکے اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں نے اس عبارت کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ جواب کل دوں گا۔"[1]

---

[1] مجیب اللہ ندوی، مولوی، فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، ص ۲۲-۲۳

★ فقہی ابواب کے لحاظ سے کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ حصہ اول کی جمع و تدوین کا کام شیخ جلال الدین محمد جونپوری، دوسرے حصے کی تکمیل کا کام شیخ وجیہ الدین گوپاموی، تیسرے حصے کی تکمیل شیخ محمد حسین جونپوری اور چوتھے حصے کی تکمیل ملا حامد جونپوری کے سپرد کی گئی۔

گوپاموی

(فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص ۲۵-۲۱)

★★ بقول شیخ محمد اکرام عالمگیر کا ملا شیخ نظام سے ایک صفحہ سننا منقول ہے (رود کوثر، ص ۵۴۴-۴۱) چونکہ فتاویٰ کی تدوین آٹھ سال میں ہوئی۔ لہذا ابتدائی سالوں میں ایک صفحہ سننا معمول ہو اور آخری سالوں میں دو چار صفحات سننے کا معمول ہو (راقم الحروف)

فتاویٰ عالمگیری کے مضامین

فتاویٰ عالمگیری "الفتاویٰ الھندیہ" کے نام سے نورانی کتب خانہ پشاور سے چھ جلدوں میں چھپا ہے جس کے مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جلد اوّل

کتاب الطھارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب المناسک، کتاب النکاح
کتاب الرضاع، کتاب الطلاق

جلد دوم

کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود، کتاب السیر، کتاب السرقہ، کتاب اللقیط
کتاب اللقطۃ، کتاب الاباق، کتاب المفقود، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف

جلد سوم

کتاب البیوع، کتاب الصرف، کتاب الکفالۃ، کتاب الحوالہ، ادب القاضی
کتاب الشھادات، کتاب الرجوع عن الشھادۃ، کتاب الوکالۃ

جلد چہارم

کتاب الدعوۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الودیعۃ، کتاب العاریۃ
کتاب الھبۃ، کتاب الاجارہ

جلد پنجم

کتاب المکاتب، کتاب الولاء، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الماذون، کتاب الغصب، کتاب الشفعہ
کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب المعاملۃ، کتاب الذبائح، کتاب الضحیۃ، کتاب الکراھیۃ، کتاب التحری
کتاب الاحیاء الموات، کتاب الشرب، کتاب الاشربہ، کتاب الصید، کتاب الرھن

جلد ششم

کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب المحاضر، کتاب السجلات، کتاب حکمی، کتاب یکتب القاضی، کتاب فی التزوج
کتاب الشروط، کتاب الحیل، کتاب الخنثیٰ، کتاب الفرائض

فتاوی عالمگیری کے ماخذ

فتاوی عالمگیری کی تدوین میں اورنگ زیب عالمگیر کے شاہی کتب خانہ کی متعدد کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان کتابوں کا شمار ۱۳۵ سے بھی اوپر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض مشہور کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

ھدایة، قدوری، عنایة، مبسوط، محیط برھانی، محیط السرخسی، مختصر الطحاوی الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، فتح القدیر، بدائع الصنائع، بحر الرائق، غایة البیان السراج الوھاج، در المختار، کافی، قنیة المنیة، برجندی، فتاوی قاضی خان فتاوی تاتارخانیہ، التجنیس والمزید۔[1]

حافظ حبیب اللہ ندوی نے "فتاوی عالمگیری کے مؤلفین" میں ۱۲۳ کتابوں کے نام گنوائے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء نے کس جانکاہی سے سینکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کرکے فتاوی تیار کیا۔ گویا فتاوی فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے۔[2]

فتاوی عالمگیری کا مقام

دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے کہ "اس کتاب کے مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام عالم اسلامی میں یہ کتاب مقبول اور رائج ہے اور فقہ حنفی میں ھدایة المرغینانی (۵۹۳ھ) کے بعد اس کا درجہ تسلیم کیا گیا ہے اور آج بھی اس سے زیادہ مبسوط اور واضح کتاب کوئی دوسری موجود نہیں۔[3]

بقول محمد اسحاق بھٹی یہ فقہ کی تمام اہم کتابوں کا نچوڑ ہے اور اس کے ماخذ فقہ میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔[4]

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۱۴۶

۲۔ حبیب اللہ ندوی، مولوی، فتاوی عالمگیری کے مؤلفین، ص ۱۴-۱۷

۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۱۴۶

۴۔ محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک وھند میں علم فقہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۱

فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات

فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے سید عبدالحی رقمطراز ہے:

"یہ کتاب اپنے موضوع پر بڑی جامع اور مفید ہے۔ اس کی عبارت میں سلاست و روانی ہے۔ مشکل مسائل کو بھی عمدہ طریقے سے حل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بے شمار مسائل ہیں۔ کتاب اپنی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے شام و مصر میں "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے"[1]

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بڑی دقتِ نظر اور تبحرِ علمی سے کام لیا گیا ہے۔ مسائل صدایہ کی طرز پر جمع کئے گئے ہیں اور ان پر بحث و تمحیص اور تشریح و توضیح میں کمال احتیاط اور ذہانت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ مسائل کی تکرار اور حشو و زوائد سے پرہیز کیا گیا ہے۔ ایسے مسائل کو درج نہیں کیا گیا ہے جس کا حل نادر اور شاذ مانا گیا ہے لیکن جہاں کہیں ان شاذ فیصلوں کے اندراج کے بغیر چارہ نہ تھا۔ انھیں درج کرنے میں تامل بھی نہیں کیا گیا۔[2]

محمد اسحاق بھٹی کے الفاظ میں فتاویٰ عالمگیری ایک یا دو چار علماء کی کاوشوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ علمائے دین اور فقہائے کرام کی مشترکہ کوششوں سے معرضِ وجود میں آئی۔ عالمگیر نے جن علمائے کرام کو اس کی ترتیب و تالیف کے لئے منتخب کیا وہ صرف یہی نہیں کہ اس دور میں علم میں بلند مقام رکھتے تھے بلکہ زہد و تقویٰ میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ انھوں نے کمالِ محنت سے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ چونکہ یہ علمائے فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ و تازِ علمی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔[3]

---

[1] اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، اعظم گڑھ، ۱۹۶۹، ص ۱۶۲ - ۶۳

[2] دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۱۲۷

[3] برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۲۶۳

اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل و مبسوط کتاب ہے جو کہ ایک دیندار بادشاہ کی ذاتی سعی و محنت سے لکھی گئی اور اس پر عمل کی مستحکم دیواریں تعمیر کی گئیں اور پھر یہ کتاب کئی بار کتابت اور طباعت کی منزلوں سے گزری۔ فارسی اور اردو زبانوں میں اس کے ترجمے بھی کئے گئے ★ تاکہ اس کے مضامین و مندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ اس کتاب کے علاوہ بھی مختلف حکمرانوں کے دور میں فقہاء نے فتاوی ترتیب دیئے اور اس دور کے حکمرانوں کے نام منسوب ہوئے لیکن یا تو وہ ایک "قلمی کتاب" سے آگے کی منزل کو نہ پہنچ سکے یا پھر ان سے کوئی ایک قدم آگے بڑھ کر طباعت کے مرحلے سے گزرا بھی تو کما حقہ شہرت حاصل نہ کر سکا لیکن فتاوی عالمگیری اس باب میں سب پر فوقیت لے گیا اور علمی دنیا میں ایک اونچے مقام پر سرفراز ہو گیا۔[1]

اس کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر مسئلہ کے ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو "ناقلاً عن فلان" کا لفظ لکھ کر اصل ماخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔[2] اگر کسی مسئلے کے دو یا دو سے زیادہ حل کسی معتبر کتاب میں درج کئے گئے ہیں تو دلائل و سیر حاصل بحث کے بعد وہی حل درج کیا گیا ہے جسے دیگر فیصلوں پر ترجیح حاصل ہے ابواب کی تقسیم اور مضامین کی تہذیب اس انداز پر کی گئی ہے کہ تلاش مسائل میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ فتاوی عالمگیری کی اشاعت سے قبل فقہی مسائل میں اختلاف ہونے کی وجہ سے دو عدالتیں ایک ہی جرم میں مختلف سزائیں دے دیتیں مگر فتاوی عالمگیری کی تدوین سے یہ نقص بھی دور ہو گیا۔

---

[1] برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۲۶۳

[2] ایضاً، ص ۲۶۴

★ ایک معروف عالم چلپی عبد اللہ رومی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔
(صباح الدین عبدالرحمن، بزم تیموریہ، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۴۸، ص ۲۲۳)
اس کا اردو ترجمہ جس کا نام "فتاوی ہندیہ" ہے، سید امیر علی کے قلم سے مطبع نولکشور سے دس جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۷۰۱)

مقام مؤلفین

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تالیف پر بہت سے علماء کو مقرر کیا گیا اور اس کا اہتمام اس دور کے مشہور عالم شیخ نظام الدین برہانپوری کے سپرد کیا گیا اور انہی کے مشورہ سے اس عظیم کام کی سرانجام دہی کے لئے مختلف علماء کو مامور کیا گیا۔ عالمگیر نامہ میں ہے:

"اس عمدہ ترین مہم کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے بادشاہ نے اس کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری شیخ نظام کے سپرد کی جو جامع فضائل معقول و منقول شخصیت تھی۔ انھوں نے تمام اہل فضل و دانش کی متفقہ رائے سے پیش آمدہ مسائل کو کتابی صورت میں جمع کر دیا۔ دارالحکومت میں موجود علماء اور کشور ہند کے اطراف و اکناف کے علماء سے اس کام میں مدد لی گئی۔ علماء کے انتخاب میں متعلقہ علوم میں مہارت و ممارست کو بھی مدنظر رکھا گیا۔"[1]

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں جن علماء کو شامل کیا گیا اُن کے متعلق یہ بات تو واضح ہے کہ اُن علماء کو تدوین فتاویٰ کی دعوت دی گئی جو اس میدان میں مہارت رکھتے تھے اور علمی لحاظ سے اُن کا درجہ فائق تھا۔ تاہم "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ"[2] کے مطابق ان میں شیخ نظام الدین برہانپوری، میر سید محمد قنوجی، قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی اور مولانا محمد شفیع بہاری متبحر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ سید علی اکبر سعد اللہ خانی، سید نظام الدین ٹھٹھوی اور جلال الدین محمد جونپوری بلند پایہ فقہاء کے زمرے میں آتے تھے۔ مؤلفین فتاویٰ عالمگیری میں قاضی محمد حسین جونپوری، ملا محمد غوث کاکوروی، ملا غلام محمد، ملا محمد اکرم قاضی سید عنایت اللہ مونگیری، قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی اور قاضی غلام محمد لاہوری جیسے بلند پایہ قضاۃ

---

[1] محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ص ۱۰۸۷

[2] یوسف: ۷۶

بھی شامل تھے۔ اعلیٰ پائے کے مدرسین ملا محمد جمیل جون پوری، جلال الدین جون پوری، ملا ابوالواعظ ہرگامی، ملا فصیح الدین پھلواروی اور ملا محمد اکرم لاہوری کو تدوین فتاویٰ میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ صوفیاء کرام میں سے شاہ عبدالرحیم دہلوی، شیخ نظام الدین برہان پوری اور مولانا محمد شفیع بہاری شامل تھے۔

ملا محمد جمیل جون پوری، ملا ابوالواعظ ہرگامی اور ملا حامد جون پوری نے جہاں تدوین فتاویٰ میں حصہ لیا وہاں دیگر کتب تصنیف کر کے ملک و قوم کی خدمات سر انجام دیں۔ مولفین میں سے قاضی محمد حسین جون پوری نے قضا کے ساتھ ساتھ محتسب کے فرائض بھی سر انجام دیئے۔ شیخ رضی الدین بہاری فنِ سپہ گری میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ جلال الدین محمد جون پوری کا شمار محدثین میں ہوتا تھا۔ مولفین میں سے ابوالواعظ ہرگامی عالمگیر کے استاد بھی تھے۔ ملا حامد جون پوری اور ملا محمد اکرم لاہوری بالترتیب عالمگیر کے بیٹوں شہزادہ اکبر اور شہزادہ کام بخش کے اساتذہ کو بھی فتاویٰ کی تدوین میں شامل کیا گیا۔[1]

مولفین کی فہرست سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فتاویٰ کو مرتب کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ یگانۂ روزگار ہستیوں کو شامل کیا جائے۔ مختلف فنون میں ماہر اساتذہ کو تدوین فتاویٰ کے اہم کام پر مامور کیا گیا۔ اس کے باوجود عالمگیر کے سامنے مولفین کے عزل و نصب کی فہرست ہمیشہ پیش ہوتی رہتی تھی۔ جس کو وہ اہل نہ سمجھتے اس کا نام فہرست سے خارج کر دیتے۔[2]

---

[1] مجیب اللہ ندوی، مولوی، فتاویٰ عالمگیری کے مولفین، ص ۲۸ ـ ۱۳۶

[2] ایضاً، ص ۵۷

باب سوم

فصل دوم عالمگیر کا نظامِ احتساب

(ا) احتساب کا لغوی مفہوم

(ب) احتساب کا اصطلاحی مفہوم

(ج) ادارہ احتساب کی شرعی اہمیت

(د) عالمگیر کا نظام احتساب

(ر) اسلامی اصلاحات

فصل دوم

عالمگیر کا نظام احتساب

احتساب کا لغوی مفہوم

لغت میں احتساب کا مادہ ح س ب بیان کیا گیا ہے اور یہ درج ذیل معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حساب کرنا،[1] جیسا کہ سورۃ رحمن میں ہے "اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ؀"[2] یعنی سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے۔ تاج العروس میں "الاحتساب" طلب الاجر[3] اجر طلب کرنا، بیان کیا گیا ہے۔ احتساب کا ایک معنی اجر و ثواب کے لئے کوئی کام کرنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ"[4] یعنی جس نے ایمان اور اجر و ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

احتساب کا اصطلاحی مفہوم

کتب فقہ میں احتساب کے لئے بالعموم "حسبہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ شرعی اصطلاح

1۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱، ص ۳۱۱

2۔ الرحمن : ۵

3۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس، مطبعۃ الحکومیۃ الکویت، ۱۹۶۵، ج ۱، ص ۲۷۵

4۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصوم، ج ۱، ص ۲۵۵

میں احتساب اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو کہتے ہیں جب لوگ اس معروف کو ترک کر دیں اور نہی کا ارتکاب کرنے لگیں۔ الماوردی (م ۴۵۰ھ) نے احتساب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:
"ھی امر بالمعروف اذا ظھر ترکہ ونہی عن المنکر اذا ظھر فعلہ"[۱] احتساب سے مراد اچھائی کا حکم دینا جب اس کا چھوڑ دینا عام ہو جائے اور برائی سے روکنا جبکہ اس کو کھلم کھلا کیا جانے لگے۔

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے "مقدمہ ابن خلدون" میں احتساب کی جامع تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے "ھی وظیفۃ دینیۃ من باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر"[۲] یہ ایک دینی منصب ہے جس کا تعلق امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے۔ بقول عمر فروخ:
"الحسبۃ منصب مراقبۃ الاخلاق والاسعار فی الاسواق والامر بالمعروف والنھی عن المنکر ومساعدۃ الضعفاء والعاجزین ومتولی ھذا المنصب یسمّٰی المحتسب۔"[۳]
یعنی حسبہ (احتساب) وہ منصب ہے جس میں اخلاق و کردار کے علاوہ منڈیوں کے بھاؤ کے اتار چڑھاؤ کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ نیکی کا حکم دیا جاتا ہے اور برائی سے روکا جاتا ہے عاجز و کمزور لوگوں کی امداد کی جاتی ہے۔ اس منصب کا متولی محتسب کہلاتا ہے۔ دور جدید کے شامی مصنف استاد محمد المبارک (م ۱۴۰۲) نے احتساب کی یہ تعریف بیان کی ہے:
ھی رقابۃ اداریۃ تقوم بھا الدولۃ عن طریق موظفین خاصین علی نشاط الافراد فی مجال الاخلاق والدین والاقتصادی فی المجال الاجتماعی بوجہ

---

[۱] احکام السلطانیہ، ص ۲۴۵

[۲] مقدمہ ابن خلدون، باب سوم، فصل اکتیس، ص ۱۵۵

[۳] تاریخ الادب العربی، العصر العباسیہ، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۵، ج ۲، ص ۵۰۷ درحاشیہ

عام تحقیقا للعدل و الفضیلة وفقا للمبادی المقررة فی الشرع الاسلامی وللاعراف المالوفة فی کل بیئة وزمن ۔[1]

یعنی یہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جسے حکومت قائم کرتی ہے اور خاص ملازم اس کو چلاتے ہیں ۔ اس ادارے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اخلاق و مذہب اور معاشیات کے دائرہ میں افراد کی عام اجتماعی سرگرمیوں کی نگرانی کی جائے تاکہ انصاف اور اعلیٰ اقدار کو قائم کیا جائے اور اس معاملے میں اسلامی شریعت اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں جو معروف اور پسندیدہ طریقے رائج ہیں ان کی روشنی میں اس اہم کام کو سرانجام دیا جا سکے ۔

ادارہ احتساب کی شرعی اہمیت

اس ادارے کا قیام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیش نظر بھی ضروری ہے

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝[2]

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان ۔[3]

---

[1] محمد مبارک ، الدولۃ و نظام الحسبۃ عند ابن تیمیہ بحوالہ محمود احمد غازی ، اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے ادارہ احتساب کی ضرورت ، فکر و نظر ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ، ج ۲۰ ، شمارہ ۹-۱۰ مارچ - اپریل ۱۹۸۳ء ، ص ۲۵۶-۵۷

[2] آل عمران : ۱۰۴

[3] الجامع الصحیح للمسلم ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی ، ۱۳۷۵ھ ، کتاب الایمان ، ج ۱ ، ص ۵۱

تم میں سے جو برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کی ضعیف ترین شاخ ہے۔

ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے گئے اور ایک تاجر کی یوں رہنمائی فرمائی:

عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی صبرة طعام، فادخل یدہ فیها، فنالت اصابعہ بللا، فقال، ما هذا یا صاحب الطعام؟ قال اصابتہ السماء یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال افلا جعلتہ فوق الطعام کی یراہ الناس من غش فلیس منی۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک غلے کے ڈھیر پر ہوا۔ آپ نے ڈھیر میں اپنے دست مبارک کو داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو تری لگی۔ آپ نے پوچھا۔ اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس پر بارش ہو گئی۔ آپ نے فرمایا، گیلے غلے کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیتے۔ پھر آپ نے فرمایا، جس نے ملاوٹ کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احتساب فرماتے تھے اور اس طرح آپ نے مسلم حکمرانوں کے لئے احتساب کا طریقہ متعین کر دیا

عالمگیر کا نظامِ احتساب

اورنگ زیب عالمگیر سے قبل مغلوں کے عہدِ حکومت میں احتساب کا محکمہ قائم تھا مگر اس میں احتساب کا وہ زور نہ رہا جو اس سے قبل تھا۔ لیکن عالمگیر نے اس محکمہ کو مزید وسعت اور اختیارات دیئے۔ عالمگیر خود بھی سختی سے شریعت کا پابند تھا اور اس نے مملکتِ محروسہ میں پوری دیانتداری سے شرعی قوانین کا نفاذ کیا۔ محکمہ احتساب کا اہتمام کیا۔ شراب نوشی، افیون اور دیگر

---

[1] مسلم شریف، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۷۰

فحشیات کے استعمال کرنے والوں کے لئے سزائیں مقرر کیں۔[1]

عالمگیر نے مسلمانوں کے اخلاق و اطوار سنوارنے کے لئے ملک بھر میں محتسب مقرر کئے جو لوگوں کو دین کے فرائض ادا کرنے کی تلقین کرتے اور معاشرتی برائیوں کے ارتکاب سے روکتے چنانچہ صاحب مرآتِ احمدی نے لکھا ہے:

از انجا کہ شہنشاہ دین پناہ همواره ہمت بلند نہمت بر رفع آثار مناہی وملاہی مقصور در سلطنت و پادشاہی و خلافت و گیتی پناہی پیوستہ احکام الٰہی و ترویج شرع مطہر حضرت رسالت پناہی صلوات اللہ وسلامہ علیہ و آلہ مقصود و منظور است و درین ہنگام رای عالم آرای چنین اقتضا نمود کہ یکے از فضلای پایہ سریر اعلیٰ کہ بصفت تدین و مسلمانی و سمت فقاہت و متدینانی موسوم باشد بخدمت احتساب منسوب سازند تا خلائق را از ارتکاب منہیات و محرمات خصوصاً شرب خمر کردن و خوردن بنگ و بوزہ و سائر مسکرات و مباشرت فواحش و زدنیات منع و زجر کرد حتی المقدور از قبائح اعمال و شنایع اقوال باز دارد و بر آن در حضور ملا عوض وجیہ را کہ سر آمد دانشوران توران بود باین خدمت سربلند فرمودند ۔۔۔۔[2]

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بادشاہ نے ممنوعہ امور اور لہو ولعب کے معاملات کو ختم کرنے کے لئے ہمیشہ حوصلے سے کام لیا۔ ان کا اپنی پوری سلطنت میں احکام الٰہی اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور ترویج و اشاعت کا مصمم ارادہ تھا۔ اس وقت بادشاہ

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۸، ج ۸، ص ۲۰۲

[2] علی محمد خان، مرآت احمدی، فتح الکریم بمبئی، ۱۳۰۷ھ، ج ۱، ص ۲۶۲-۶۳
محمد بختاور خان، مرآۃ العالم، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور، ج ۱، ص ۱۵۶
محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ص ۱۰۸۱-۹۱

نے ارادہ کیا کہ سلطنت کے فضلاء میں سے ایک متدیّن، فقیہ اور حاضر دور کے مسائل کو سمجھنے والا شخص مقرر کیا جائے تاکہ مخلوقِ خدا کو منہیات اور حرام اشیاء خصوصی طور پر شراب پینے، بھنگ کا استعمال کرنے اور ہر نشہ آور چیز سے روکا جائے۔ فحش حرکات اور زنا کے قریب لے جانے والے افعال کے ارتکاب پر لوگوں کو زجر و توبیخ کی جائے۔ چنانچہ بادشاہ سلامت نے توران کے دانشوروں میں سے ملا عوض وجیہہ کو یہ خدمت سونپ دی۔ اس کی معاونت کے لئے منصبداران اور پولیس کے سپاہیوں کو مقرر کیا گیا تاکہ اگر بعض بے باک اور خودسر اشخاص جہالت و نادانی اور شقاوتِ قلبی کی بنا پر اشیاء ممنوعہ سے باز نہ آئیں اور مرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ان ذلیل لوگوں کی سرزنش کی جائے۔ ملک کے تمام صوبوں میں یہ شاہی فرمان پہنچا دیا گیا کہ ملک میں حدود کا نفاذ کیا جائے اور نشہ آور چیزوں اور حرام کردہ کاموں کے ارتکاب پر لوگوں کا کماحقہٗ احتساب کیا جائے۔ مذکورہ فرمان کی تعمیل ملک کے تمام صوبوں میں کرائی گئی۔ حرام کردہ اشیاء کے ارتکاب پر مجرموں کا احتساب کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ ملک میں امن و امان پیدا ہو گیا۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے پورے ملک پر رحمتوں کا نزول ہوا۔ چنانچہ علی محمد خاں مصنفوں کے اتباع کا نتیجہ درج کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"چنانچہ در اندک زمانی معالم شرع نبوی و مآثر سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اختلال پذیر رفتہ بود کمال رونق گرفت و فرمان والا شان در منع مسکرات وغیرہ شرف صدور یافت۔"[1]

تھوڑے ہی عرصہ میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے اور سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے سے معاشرے میں امن و امان پیدا ہو کر رونقیں آ گئیں۔ جبکہ اس سے قبل ترکِ سنت کی وجہ سے معاشرے میں اضمحلال کے آثار نمایاں تھے اس طرح بادشاہ کا فرمان

---

[1] مرآۃ احمدی، ص ۲۶۳

پوری مملکت میں صادر ہو گیا۔ محمد ساقی کے الفاظ میں:

اورنگ زیب عالمگیر نے ملا عوض وجیہہ کا پندرہ صد روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور اسے منصب صدی صدرِ سور پر فائز کیا۔ دین پناہ بادشاہ کی مسند نشینی سے آج تمام ہندوستان بدعتوں اور خواہشاتِ نفسانی کی برائیوں سے پاک ہے۔[۱] بقول خافی خان عالمگیر نے شراب خانے اور جوئے بازی کے اڈے بند کروانے کے ساتھ ساتھ علانیہ بت پرستی کو بھی بند کرانے کا حکم صادر کیا۔[۲]

محمد اللہ کے الفاظ میں سمرقند کا باشندہ ملا وجیہہ ہندوستان کا بہت بڑا عالم دین تھا۔ وہ ۱۶۵۰ء میں ہندوستان آیا۔ شاہ جہان نے اسے اپنے دور میں مفتی کے عہدے پر فائز کیا۔ ۱۶۵۹ء میں عالمگیر نے اسے محتسب اعلیٰ مقرر کر دیا۔ یک ہزاری منصب کے ساتھ تعمیل حکم کروانے کے لئے اس کے ساتھ کچھ منصب دار اور احداث مقرر کئے۔[۳] عالمگیر نے دارالحکومت کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی محتسب مقرر کئے جیسا کہ گولکنڈہ قلعہ کے محاصرے کے دوران عالمگیر نے دروغہ بیوتات عبدالرحیم خان کو شہر حیدرآباد کے احتساب اور نگرانی پر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ شہر میں کافروں کی جو بھی رسمیں رائج ہیں اور جن بدعتوں کو ابوالحسن ★ نے پھیلا دیا ہے۔ ان سب کو ختم کر دیا جائے اور بت خانوں ★★ کو مسمار کر کے ان کی جگہ مسجدیں بنا دی جائیں۔[۴]

۱۔ مآثر عالمگیری، ص ۲۵

۲۔ منتخب اللباب، ج ۲، ص ۸۵

3. Muhammad Ullah, Administration of Justice in Islam, Law Publishing Company, Lahore (N.D.) P.73

۴۔ منتخب اللباب، ص ۳۵۸ - ۵۹

★ ابوالحسن دکن کا والی تھا جو کہ سید مظفر اور مادنا اکنا (ہندو وزیر و پیش کار) کی سازشوں سے میر احمد کو مغلوب کر کے دکن کا حکمران بنا۔ بعد میں ابوالحسن نے مادنا و اکنا کو بھی قتل کرا دیا۔ (منتخب اللباب (ترجمہ محمود احمد فاروقی) ص ۲۸۲ - ۸۴)

★★ صرف ان مندروں کو گرایا گیا جن میں حکومت کے خلاف مذہب کے پردے میں سازش ہوتی تھی یا مسلم طلبہ کو کتب باطلہ پڑھا کر دینِ اسلام سے برگشتہ کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر متھرا، ملتان، ٹھٹھہ اور بنارس کے مندر سازشوں اور تخریبی کارروائیوں کے اڈے تھے۔ اور عالمگیر نے حفظِ شریعت اور پابندی احکام [illegible] (محمد علی طالب، ص ۸۵، ۸۹)

اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے ایک اور مشہور محتسب مرزا محمد هروی تھے۔[1]

احتساب کا ادارہ عدالتی یا نیم عدالتی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ کام اور دائرہ اختیار کی حیثیت سے ادارۂ قضا اور ادارۂ مظالم کے بین بین حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مقصد لوگوں کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے جیسا کہ اشتیاق حسین قریشی لکھتا ہے:

عدالتی نظام سے ہی ملحقہ ایک اہم ادارہ حسبہ کا تھا۔ محتسب نظریاتی اعتبار سے عوام الناس کے اسلامی ضابطۂ اخلاق کی درستگی کا ذمہ دار تھا۔ مسلم معاشرہ کے درست رویہ کو یقینی بنانا اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ عوام الناس کے اندر پائی جانے والی بے چینی کی وجوہات اور غیر متنازعہ حقوق کی خلاف ورزی کا خاتمہ کرنا اس کے فرضِ منصبی میں شامل تھا۔[2]

وی۔ ڈی۔ مہاجان بھی محتسب کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے:

He was the Censor of public morals. It was his duty to enforce the command of the prophet (Peace be upon him) and suppress all those practices which were unislamic. The punishment of heretical opinions, blasphemy against the prophet and neglects of the five daily prayers and observance of Ramazan by Muhammadans also lay within the province of censor.[3]

---

1. محمود احمد غازی، اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے ادارۂ احتساب کی ضرورت، فکر و نظر مارچ۔ اپریل ۱۹۸۳ء، ص ۲۴۱
2. The administration of Mughal Empire, University of Karachi 1966, p. 199
3. The Mughal Rule in India, pp. 201-02

یعنی وہ عوام الناس کے اخلاق درست کرنے کے لئے احتساب کرنے کا ذمہ دار تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا نفاذ اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ وہ غیر اسلامی حرکات کا خاتمہ کرنے کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو ان کی ملحدانہ روش پر سزا دیتا۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو کڑی سزا دیتا۔ اس کے علاوہ اپنے صوبے میں نماز اور روزہ رکھنے میں تساہل برتنے والوں کو سرزنش دینا اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔

محتسب اعلیٰ کے معاونین حکومت کے ہر حصے میں موجود رہتے۔ جو مدعنوان افراد کی نہ صرف نگرانی کرتے بلکہ محتسب اعلیٰ کو ان کی سرگرمیوں سے آگاہ بھی رکھتے۔ نشہ آور اشیاء استعمال کرنے والوں کو عدالت میں پیش کر کے سرزنش دلوائی جاتی تھیں۔ محتسب کو یہ اختیار حاصل ہوتا کہ وہ معمولی جرائم کے مرتکب افراد کو موقع پر سزا دے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ان کے مذہب کے مطابق سزائیں دی جاتیں۔ محتسب اپنا روزنامچہ مرتب کرتے۔ اس میں روزانہ سرزد ہونے والے جرائم کے اندراج کے ساتھ ساتھ احتیاطی تدابیر اور سزاؤں کا ذکر ضروری ہوتا۔ روزنامچہ کی نقل محتسب اعلیٰ کو روانہ کر دی جاتی۔

احتساب کے نتیجے میں پوری مملکت ظاہری جرائم سے پاک ہو گئی تھی۔ ہر جگہ شریعت کے احکام کی پابندی کی جاتی اور کسی جگہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جو شریعت کو چیلنج کر سکتا یا جس میں اتنا حوصلہ ہوتا کہ شریعت کے احکام کی علی الاعلان مخالفت کرے۔ قانون اسلامی کی رو سے سلطان اعظم کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ نیکی کی اشاعت کرے اور برائی سے منع کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝[1]

---

[1] الحج: ۴۱

وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

جب کہ اورنگ زیب نے حکومت کی امارت قبول کی تھی تو یہ اس کا فریضہ تھا کہ وہ عوام کو برائیوں سے روکے۔ عالمگیر نے اس فریضۂ الٰہی کے لئے جو احتساب قائم کیا وہ منشائے شریعت اور حکم الٰہی کے عین مطابق تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شریعت کے نقطۂ نگاہ سے مجرم ٹھہرتا۔[۱]

حاکم وقت رعایا کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کلکم راعٍ ومسئول عن رعیتہ فالامام راعٍ وھو مسئول عن رعیّتہ .....[۲]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے پس امام بھی نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) جوابدہ ہے۔

اس حدیث شریف کے پیش نظر عالمگیر نے عوام النّاس کے کردار کی اصلاح کی۔ جہاں قرآن اور حدیث کے خلاف کام دیکھا اسے بند کر دیا۔ بقول محمد ساقی وہ شریعت کے احکام نافذ فرماتے اور بدعات و منکرات کو مٹانے میں مصروف رہتے تھے۔[۳]

عالمگیر سے قبل مغل بادشاہوں نے خصوصاً اکبر بادشاہ نے اپنی تعظیم کروانے کے لئے چند ایسی رسوم رائج کی تھیں جو **قرآن وسنت** کی تعلیمات کے خلاف تھیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان خلافِ شرع رسوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کروا دیا۔ ثبوت کے لئے معتبر کتب سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں

۱۔ رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵، ص ۷۱۔
۲۔ الجامع الصحیح للبخاری، باب الاستقراض، ج ۱، ص ۴۷
۳۔ مآثر عالمگیری، ص ۲۱

اسلامی اصلاحات

جشن نوروز کی بندش

محمد ساقی مستعد خاں بیان کرتا ہے کہ جشن نوروز جمشید وکسریٰ کی تقلید میں یکم فروری کو یوم عید کے طور پر منایا جاتا تھا اور دس روز بزم نشاط آراستہ کرکے عیش پرستی کی جاتی تھی۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ جشن نوروز کی بجائے جشن نشاطِ رمضان شریف منایا جائے[1]۔ جشن نوروز کو بند کرنے سے ایک تو مسلمانوں کی مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہوئی اور دوسرے دین کے خلاف اور عیش پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی رو سے مسلمانوں کو تشبہ بالکفار سے روکا گیا ہے اورنگ زیب عالمگیر قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔ انھوں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو رفاہِ عام کے منافی ہو اور نہ وہ کبھی ایسے فعل کے مرتکب ہوئے جو مخلوق خدا کی پریشانی کا باعث ہو زنانِ بازاری اور دیگر فواحش کے شیدائی دار الحکومت سے نکال دیئے گئے۔ تمام ممالک محروسہ میں[2] عاملانِ احتساب ہر شخص سے باز پرس کرتے اور سلطنت کی وسعت کے باوجود ہر جگہ احکام شرعی نافذ تھے چونکہ موسیقی بھی فحش اعمال میں شامل ہے لہذا اورنگ زیب عالمگیر نے گانے بجانے کی حوصلہ شکنی کی۔ چنانچہ خافی خاں کے الفاظ میں:

موسیقی کا جنازہ

ایک دن گویے اور قوال ایک شاندار جنازہ لیکر آگے پیچھے ماتم کرتے ہوئے درشن کے

---

1 مآثر عالمگیری، ص ۷۵، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۹۷

2 مآثر عالمگیری، ص ۵۲۸

جھروکے کے نیچے سے گزرے۔ بادشاہ نے جنازہ کے متعلق دریافت کیا تو کلاونتوں نے عرض کیا کہ ہم مردہ موسیقی کو دفنانے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا:[1]

"موسیقی کو اس طرح زمین میں دبا دو کہ پھر کبھی آواز نہ نکلنے پائے۔"

چونکہ جھروکے کی رسم بھی ایک غیر اسلامی اور ہندوانہ رسم تھی لہذا عالمگیر اسے کب برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر نے اپنی حکمرانی کے گیارھویں سال ۱۰۷۸ھ میں اس کی بھی ممانعت کر دی

درشن کی ممانعت

شاہان سلف کے زمانے سے بادشاہ کے درشن کا طریقہ چلا آرہا تھا۔ جھروکے سے عوام اور خاص طور پر درشنی ہندو جب تک بادشاہ کو دیکھ نہیں لیتے تھے۔ کھانے کی کوئی چیز منہ میں نہیں ڈالتے تھے۔ عالمگیر نے اس رسم کو غیر مشروع جانتے ہوئے بالکل بند کر دیا۔ چنانچہ عالمگیر نے محل کے جھروکے میں بیٹھنا بند کر دیا اور لوگوں کو نیچے میدان میں جمع ہونے سے منع کر دیا۔[2]

عالمگیر سے قبل سلام کا غیر شرعی طریقہ رائج تھا جس میں کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی تھی قرآن وسنت کی رو سے مسلمان کی امتیازی شان ہونی چاہیے۔ شعار اسلامی کو اپناتے ہوئے مسلمانوں کو اپنا تشخص برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عالمگیر سے قبل مغلیہ دور میں سلام کرتے وقت لوگ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے تھے۔ اس طریقے کی ممانعت کے بارے میں صاحب مآثر عالمگیری یوں بیان کرتا ہے:

آداب سلام میں تبدیلی

قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی

---

[1] خافی خاں، منتخب اللباب ۲ص ۲۱۳

[2] ایضاً

اہل دربار جو حضور شاہی میں ہاتھ سر پر رکھ کر آداب کے لئے جھکتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ مسنون طریقہ پر سلام کیا کریں۔[1]

خافی خان ذرا زیادہ وضاحت کرتے ہوئے یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

دیگر درہماں ایام حکم صادر گردید کہ مسلمانان کہ باہم ملاقات نمایند لبسلام شرعی سلام علیک اکتفا نمودہ بر دستور کفرہ دست بر سر نگذارند و حکام نیز با طائفہ انام و مردم خاص و عام ہمیں سلوک مرعی دارند۔[2]

یعنی انہی دنوں یہ حکم صادر ہوا کہ تمام مسلمان جب ایک دوسرے سے ملیں تو صرف شرعی سلام "السلام علیکم" پر اکتفا کریں۔ کافروں کی طرح سر پر ہاتھ نہ رکھیں۔ حکام بھی خاص و عام اشخاص سے اسی طریقہ پر سلام کریں اور سلام لیں۔

عالمگیر نے معاشرے کو سنوارنے کے لئے کافی احکامات نافذ کئے۔ پروفیسر عزیز احمد عالمگیری اصلاحات کے بارے میں رقمطراز ہے:

اصلاحِ احوال

عالمگیر نے عورتوں کو بزرگوں کے مزارات پر حاضری دینے سے منع کر دیا۔ مقبروں پر چھتیں ڈالنے کی ممانعت کر دی۔ عصمت فروشی کے اڈے بند کر دیئے۔ مردوں کو لباس میں زنانہ پن اختیار کرنے سے روک دیا۔ محرم کا جلوس (فسادات کے پیشِ نظر) نکالنا ممنوع قرار دے دیا، حشیش کی کاشت ختم کروا دی۔ علم نجوم، ریشمی لباس

---

[1] محمد ساقی، مآثر عالمگیری، ص ۹۸

[2] خافی خان، منتخب اللباب، ص ۲۴۹

سونا پہننے اور موسیقی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ [۱]

اس نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہندو سماج میں بھی چند اصلاحات کیں۔ ان میں ستی کا روکنا ★ اور ہولی کے تہوار کے موقع پر فحش گیت گانے کی ممانعت کردی۔ [۲]

عالمگیر نے احتساب کے ذریعہ ترک کی ہوئی سنتوں کا دوبارہ احیا کیا۔ اس کا اچھا اثر نہ صرف ہندوستان پر پڑا بلکہ اردگرد کے ممالک پر بھی اس کے اچھے اثرات رونما ہوئے چنانچہ صوبہ ملتان کے اخبار نویسوں نے اطلاع دی کہ ایران کا فرمانروا شاہ سلیمان فوت ہوگیا اور اس کی جگہ سلطان حسین تخت نشین ہوا ہے۔ نئے بادشاہ نے ہندوستان کے دین پرور بادشاہ کی تقلید میں حکم جاری کیا ہے کہ تمام قلمرو ایران میں شراب، جوا، گانا بجانا اور فحاشی ممنوع قرار دے دی جائے اور سارے قمارخانے اور خرابات بند کردیئے جائیں۔ [۳]

الغرض احتساب ہونے کے سبب ممالک محروسہ میں سنتوں کا احیاء ہوا اور نفسانی خواہشات اور بدعات و منکرات کا خاتمہ ہوا اور ملک امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔

۱۔ عزیز احمد، پروفیسر، اسلامک کلچر (ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰، ص ۱۳۲

۲۔ ایضاً

۳۔ خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۳۴۳-۳۴۵

★ ستی ایک ظالمانہ رسم تھی۔ اگر کوئی ہندو فوت ہوجاتا۔ جب اسے آگ میں جلایا جاتا تو اس کی بیوہ عورت کو بھی معاشرتی بندھنوں کی وجہ سے چتا میں کودنا پڑتا تھا۔ یہ بہت بڑا ظلم تھا جسے عالمگیر نے بند کرادیا (راقم الحروف)

باب چہارم

اورنگزیب عالمگیر کا عدالتی نظام

فصل اول ـــــ عالمگیر کا دیوانی نظام

(ا) دیوانی نظام عمل
(ب) عدالتی امور
(ج) قانونی اصلاحات
(د) عالمگیر کا دیوانی نظامِ عدالت
(ہ) شاہی عدالت
(و) عدالت امور مذہبیہ
(ز) قانونِ رواج کی عدالت

صوبائی نظام عدالت

(ا) رواجی قانون کی عدالت
(ب) عدالت امور مذہبیہ
(ج) سرکار کا عدالتی نظام
(د) پرگنہ کا عدالتی نظام
(ہ) دیہات کا عدالتی نظام

باب چہارم

فصل اوّل ـــ عالمگیر کا دیوانی نظام

اورنگ زیب عالمگیر کے عدالتی نظام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بادشاہ اور قاضی دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے تاہم حکامِ عدلیہ میں کچھ عہدہ دار صرف دیوانی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور کچھ عہدہ دار ایسے بھی تھے جو صرف فوجداری قسم کے مقدمات نپٹاتے تھے جبکہ بعض حکامِ عدلیہ صرف مال سے متعلقہ جھگڑے چکاتے تھے۔

دورِ عالمگیر میں آج کل کی طرح دیوانی اور فوجداری عدالتیں مکمل طور پر الگ الگ نہ تھیں پھر بھی جس طرح موجودہ نظامِ عدل میں دیوانی اور فوجداری مقدمات میں امتیاز کیا جاتا ہے اس وقت بھی ہر دو قسم کے مقدمات کا دائرہ کار کافی حد تک موجود تھا جیسا کہ امیر علی قاضی صوبہ کے اختیارات کے بارے رقمطراز ہیں:

He tried civil and criminal cases of every class and had jurisdiction to decide all questions of fact and law. On question of law he was required to obtain the opinion of the Mufti. In criminal cases, he could pass a sentence of death. Civil cases between the state and a subject could be filed in his court [۱]

---

[۱] Ameer Ali, Islamic culture c/f Judicial system, p.196

یعنی وہ (قاضی صوبہ) ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتا۔ ہر قسم کے قانونی معاملات کی سماعت کا حق اسے حاصل تھا۔ قانونی معاملات میں اسے مفتی کی رائے درکار ہوتی تھی۔ فوجداری معاملات میں وہ سزائے موت دینے کا مجاز تھا۔ ریاست اور رعایا کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کے مقدمات اُس کی عدالت میں دائر کئے جا سکتے تھے۔

اس پیرے سے ثابت ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں دیوانی اور فوجداری نظامِ عدل کا الگ الگ تصور موجود تھا۔ دورِ جدید کے عدالتی نظام کے خطوط پر اگر اُس دور کے نظام کا تطابق کیا جائے تو اُس عہد کے عدالتی نظام کے خدوخال کو باین طور پر تشکیل دیا جا سکتا ہے:۔

دیوانی نظامِ عدل

عدل و انصاف کا وہ نظام جس میں جائیداد اور معاہدات کے معاملات نپٹائے جائیں۔ اس میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، کاروبار، لین دین اور فریقین کے باہمی حقوق کے تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مذکورہ اشیاء سے متعلق مقدمات نپٹانے کو دیوانی نظامِ عدل کہتے ہیں۔ دیوانی نظامِ عدل کے بارے میں ایم۔ اے۔ ظفر لکھتے ہیں

It is the maintenance of rights by enforcing the rights (generally speaking) by the physical force of the state[1]

یعنی عام طور پر یوں کہا جاتا ہے کہ ریاست کی مادی قوت استعمال کر کے حقوق کو قائم رکھنا ہے۔

دیوانی مقدمات کے سلسلہ میں عامر رضا کے بقول:

A suit in which the right to property or to an office is contested is a suit of civil nature,

---

1 The Pakistan Penal Code 1860, Kausar Brothers Lahore, P.1

notwithstanding that such right may depend entirely on the decision of questions as to religious rites or ceremonies[1]

یعنی وہ مقدمہ جو جائیداد یا عہدہ یا حقوق کی بنا پر دائر کیا جاتا ہے وہ دیوانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ حق مذہبی امور یا علاقائی رسوم پر منحصر ہو۔

عدالتی امور

سلاطین دہلی اور مغلیہ خاندان کے حکمرانوں نے نظام عدل کے سلسلہ میں عباسی خاندان کے حکمرانوں کے عدالتی نظام سے کافی استفادہ کیا تھا۔[2] عباسی دور کے نظامِ عدل میں مقدمات کے فیصلوں کے سلسلہ میں شریعتِ اسلامی کو فوقیت حاصل تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کا اس پر پختہ یقین تھا کہ تمام کائنات کا اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ بادشاہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اگرچہ ریاست کے تمام عمّال بادشاہ کے سامنے جوابدہ تھے۔ بادشاہ ان کا نگران اعلیٰ تھا لیکن درحقیقت وہ سب کے سب شریعتِ اسلامی اور قانونِ الٰہی کے پابند تھے۔ کوئی حاکم اعلیٰ اور ادنیٰ اس بات کا مجاز نہ تھا کہ شریعت کے سوا کسی اور کا پابند ہو۔ خود بادشاہ کی مجال نہ تھی کہ کوئی عالم شریعت کا کوئی مسئلہ اس کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کے ماننے سے انکار کر دے۔ جب بھی قرآن و سنت کی بات عالمگیر کے سامنے کی گئی اس کا سر اس کے سامنے جھک گیا۔ شریعت کی بالاتری کے متعلق خافی خان رقمطراز ہیں:

۱۔ قرآن و سنت کی برتری

عالمگیر کے دور میں اشیاء کے نرخ مقرر کرنے اور پھر نرخوں کی نگرانی کرنے والے افسر مقرر تھے

---

1. Code of Civil Procedure 1908, Kausar Brothers Lahore P.25
2. Muhammad Bashir Ahmed, Judicial system of Mughal Empire, P.174

مگر جب علماء نے بادشاہ کو شریعت کے مطابق یہ مسئلہ بتایا کہ نرخوں کا تعین خلاف شرع ہے۔ فروخت کرنے والا اپنے مال کو اپنی صوابدید کے مطابق بیچ سکتا ہے تو بادشاہ نے تمام شہروں میں تعین نرخ کے قانون کو منسوخ کر دیا اور اعلان کروا دیا کہ آج سے کسی چیز کا نرخ متعین نہ کیا جائے۔[1]

وہ بحیثیت حکمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔

وہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا بول بالا چاہتا تھا۔ اس لئے قوانین اسلامی کا مکمل نفاذ اس کا مقصد زندگی تھا۔[2] وہ ایک وسیع سلطنت کا مالک تھا مگر کوئی بھی شخص قانون کی خلاف ورزی کر کے شرعی سزا سے نہ بچ سکتا تھا۔ شریعت کی بالاتری اور مساوات انسانی کے متعلق محمد اکبر کہتے ہیں:

In his vast Empire no body could do anything contrary to the law and escape punishment enjoined by Muhammadan law.[3]

یعنی اس کی اتنی وسیع سلطنت میں کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والا شرعی سزا سے نہ بچ سکتا تھا۔ اگر کوئی قاضی قرآن و حدیث کے خلاف فیصلہ کرتا تو وہ کالعدم قرار دے دیا جاتا جیسا کہ محمد بشیر احمد نے بیان کیا ہے

In theory a qadi had unlimited powers to review his order. If it was against the sacred law, it was invalid in any case.[4]

یعنی نظریاتی طور پر قاضی کو اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اگر یہ فیصلہ شرعی قانون کے خلاف ہوتا تو وہ کالعدم قرار دیا جاتا

۱۔ خافی خان، منتخب اللباب، ص ۳۹۵-۹۶

۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲۰، ص ۹۹

3. Administration of Justice by the Mughals, Kashmiri Bazar, La[hore] 1948, P. 43

4. Judicial system of Mughal Empire, P. 102

۲۔ قاضیوں کی تقرری

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور مبارک میں سربراہ مملکت ہی قاضیوں کی تقرری کرتے تھے۔ اس کے بعد کے ادوار میں بھی قاضی القضاۃ کی تقرری حاکم اعلیٰ کرتا تھا اور دیگر قاضیوں کی تقرری قاضی القضاۃ بادشاہ کے مشورے سے کرتا تھا۔ ابن حسن کے بقول:

بادشاہ چیف قاضی کی تقرری کرتا تھا۔ اسے صدر بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ اس کے پاس منصف کے اختیارات ہوتے۔ صدر بادشاہ کی منظوری سے ماتحت قاضیوں کی تقرری کرتا۔ بادشاہ ایک ہی شہر میں دو قاضیوں کی بھی تقرری کر دیتا مگر ان قاضیوں کے اختیارات کا دائرہ کار واضح کر دیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں قاضیوں کے ساتھ میر عدل بھی مقرر ہوتے تھے۔ بادشاہ فوج میں قاضی عسکر کی بھی تقرری کرتا۔ [1]

۳۔ وکلاء کا کردار

اس دور میں بھی مقدمات کو آسانی کے ساتھ نپٹانے کے لئے وکلاء مقرر تھے۔ حکومت کی طرف سے شرعی وکیلوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ان کو فیس حکومت کی طرف سے ادا کی جاتی تھی۔ بقول بشیر احمد:

Remanization was paid by the state to the wakil-i-shariat at the state of one rupee a day but it is not clear what fees were charged by other wakils from their clients. [2]

یعنی حکومت کی طرف سے وکیل شرعی کو ایک روپیہ روزانہ معاوضہ کے طور پر ادا کیا جاتا تھا۔

---

1. The central structure of the Mughal Empire, Oxford University Press, Bombay, 1936, pp 315-16
2. Judicial system of Mughal Empire, p. 88

لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ دیگر وکیل اپنے مؤکلوں سے کتنی فیس لیتے تھے ۔ مگر جو لوگ بہت غریب ہوتے اور مقدمہ کے اخراجات برداشت نہ کر سکتے اُن کو وکلاء کی مفت خدمات مہیا کی جاتی تھیں

محمد بشیر احمد کے الفاظ میں :

شاہ جہان اور عالمگیر کے دور میں ریاست کے خلاف دیوانی مقدمات میں وکیلوں کا تقرر کیا جاتا تھا اور غریب مستغیثوں کو مفت قانونی مشورے دیئے جاتے تھے ۔ عالمگیر نے ریاستی وکیلوں کو ھدایت کی تھی کہ وہ محتاجوں کے مقدمات کی مفت پیروی کریں ۔[1]

عالمگیر کی دور میں آج کل کی طرح عدالتوں میں وکلا کی کثرت نہیں ہوتی تھی ۔ مقدمات کے فیصلے کے لئے قاضی مقرر ہوتے تھے ۔ ان کی مدد کے لئے دیگر عدالتی عملے کے علاوہ مفتی یعنی اسلامی قانون کے ماہر موجود ہوتے تھے ۔ قانون کا سارا عمل پیچیدگیوں سے مبرّا تھا ۔ عدالتی طریق کار طویل نہیں تھا ۔ ایک ہی عدالت میں ہر قسم کے مقدمات پیش ہوتے تھے تاہم ایسی عدالتیں بھی موجود تھیں جہاں الگ الگ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی تھی لیکن ایک بات اُن سب عدالتوں میں مشترک تھی کہ قاضی حضرات اپنے علم اور زہد و تقوٰی کی وجہ سے معروف اور قابل اعتماد ہوتے تھے ۔ لہٰذا حصولِ انصاف میں مدد کے لئے طبقہ وکلا کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی ۔

۴ ۔ عالمگیر کے دور میں کورٹ فیس نہ تھی

اس دور میں مستغیثوں سے کورٹ فیس وصول کرنے کا رواج نہ تھا ۔ محمد بشیر احمد رقمطراز ہیں :

The judgement in Baqiyat-al-salihat★ and those in the Diwani office of Hyderabad bear no stamps and no

---

[1] Judicial System of Mughal Empire, P. 88

★ This is a collection of fifty judgements and orders in original delivered by courts during the Period 1550-1850 A.C. (Judicial system of Mughal Empire, P. 16)

mention of court fee is made, like Bentham,* Muslim Jurists have always considered the imposition of a court fee to be against public policy.[1]

یعنی باقیات الصالحات میں درج مقدمات اور حیدر آباد کے دیوانی مقدمات سے واضح ہوتا ہے کہ دستاویزات پر نہ ٹکٹ لگتے تھے اور نہ ہی کورٹ فیس کی ادائیگی ہوتی تھی۔ بینتھم کی طرح مسلم فقہاء نے کورٹ فیس کو عوامی بہبود کے خلاف قرار دیا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دور میں مسلم حکمران فریقینِ مقدمہ سے کسی قسم کی فیس وصول نہ کرتے تھے۔ بعد میں بڑھتے ہوئے مقدمات کے پیش نظر مقدمات کی تھوڑی سی فیس مقرر کر دی گئی مگر عالمگیر کے ایک حکم کے مطابق مستغیث سے ہر قسم کی فیس وصول کرنے سے عدالتوں کو منع کر دیا گیا۔[2]

غرضیکہ دیگر مسلم حکمرانوں عالمگیر کے دور میں بھی لوگوں کو مفت اور فوری انصاف مہیا کیا گیا۔ آج کل کی طرح مقدمات کے فیصلوں پر سالہا سال نہیں گزرتے تھے۔ حصولِ انصاف کا ایسا طریق کار اپنایا گیا کہ مقدمات کی پیروی میں نہ تو ان کا زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا اور نہ زیادہ اخراجات برداشت کرنے پڑتے تھے

۵- حق اپیل

فریقینِ مقدمہ کو فیصلے کے خلاف اپیل کا حق حاصل تھا جیسا کہ ابنِ حسن لکھتے ہیں:

But as far as practice was concerned both the parties in a civil case had the right to take their

---

[1] Judicial system of Mughal Empire, P.93

[2] Ibid

* Bentham,s maxim is, "Justice should be administered gratis" (Ibid, P.93)
یعنی انصاف مفت مہیا کرنا چاہیے (بینتھم کا مقولہ)

case direct to the king or apeal to him against the judgement of the qazi.[1]

یعنی جہاں تک مروجہ طریق کار کا تعلق تھا۔ دیوانی مقدمہ میں فریقین اپنا مقدمہ براہ راست بادشاہ کی عدالت میں لے جاتے تھے یا دونوں فریقین قاضی کے فیصلے کے خلاف بادشاہ کو اپیل کر سکتے تھے۔

۶۔ مقدمات کے فیصلوں کا ریکارڈ

عالمگیر کے دور میں مقدمات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا جیسا کہ محمد بشیر احمد رقمطراز ہیں:

Records of cases were not destroyed and they were to be available of requistions were made by other courts.[2]

یعنی مقدمات کا ریکارڈ تلف نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ ریکارڈ کسی دوسری عدالت کے مطالبہ پر مہیا کر دیا جاتا تھا۔ مقدمات کی کاروائی کا ریکارڈ ایک "سجل" میں درج کیا جاتا تھا۔ عالمگیر نے ایک فیصلے پر نظر ثانی کے بعد ایک گشتی فرمان جاری کیا کہ تمام فرامین، بیع ناموں رہن ناموں اور دوسری قانونی دستاویزات کو احتیاط سے رکھا جائے اور اس کا حوالہ دیا جائے۔[3]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں دستاویزات کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور وہ عدالتوں کو باضابطہ بنانے کے لئے گاہے بگاہے گشتی فرمان کے ذریعے ہدایات بھیجتے رہتے تھے۔

---

1. The Central structure of the Mughal Empire, p.320
2. Judicial system of mughal Empire, p.102
3. Ibid, p.104

قانونی اصلاحات

سلاطینِ دہلی اور اس سے قبل عدل و انصاف کے محکمے کو محکمہ قضا کہتے تھے مگر عالمگیر کے دور میں محکمہ قضا کو محکمہ عدالت کہا جاتا تھا جیسا کہ محمد بشیر احمد نے لکھا ہے

The Department of law and justice was known as to Mahakmah-i-Qada during the Sultanate. The word "Qada was, as it appears from Khafi Khan, replaced by "Adalat" under the Mughals and the word "Mahakmah-i-Adalat" was generally adopted for the department of justice as distinct from Mahakma Shariah used for the Ecclesiastical Department.[1]

یعنی سلاطینِ دہلی کے دور میں محکمہ قانون و انصاف محکمہ قضا کہلاتا تھا۔ خافی خاں کے بیان کے مطابق مغلیہ حکمرانوں کے دور میں "قضا" کی بجائے "عدالت" کا لفظ استعمال ہونے لگا اور محکمہ قضا کی بجائے محکمہ عدالت کا نام اختیار کر لیا گیا اور مذہبی محکمہ کو محکمہ شرعیہ کا نام دیا گیا۔

اورنگ زیب برصغیر کے حکمرانوں میں عدل کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے عدالتی نظام میں ایسی اصلاحات نافذ کیں جن میں سے کچھ آج تک نافذ چلی آتی ہیں

۱۔ شرعی وکیلوں کی تقرری

اورنگ زیب عالمگیر نے بلا تاخیر اور مفت انصاف مہیا کرنے کے لئے اپنی مملکت میں شرعی وکیلوں کا

---

1 Ibid. P. 217-18

تقرر کیا جیساکہ خافی خاں رقمطراز ہیں :

در ایں سال از راہِ حق پرستی و عدالت گستری حکم فرمودند کہ در حضور و شہرھا منادی نمایند کہ هرکہ بر ذمہ بادشاہ طلب و دعویٰ شرعی داشتہ باشد حاضر گشتہ بوکیل بادشاہی دہی رجوع نماید بعد اثبات حقِ خود را بستاند و فرمودند وکیل شرعی از طرف آن بادشاہ داد گر برائے جواب خلق اللہ کہ دسترس برسیدن حضور ندا شتہ باشد در حضور و بلاد دور و نزدیک مقرر نمایند و در ہمہ صوبہ جات وکیل شرعی تعین گردیدند۔[1]

یعنی اسی سال بادشاہ عالمگیر نے از راہِ حق پرستی و عدل گستری دار الخلافہ اور دوسرے تمام شہروں میں منادی کروائی کہ جس کسی کو بادشاہ کے خلاف شرعی دعویٰ ہو یا کسی کا مطالبہ بادشاہ کے ذمے ہو تو وہ حاضر ہو کر بادشاہی وکیل سے رجوع کرے اور اپنا استغاثہ پیش کرے اور اپنا حق ثابت ہونے کے بعد وصول کرلے۔ مزید ھدایات بھی دیں کہ تمام ممالک محروسہ کے شہروں میں اور دار الخلافہ میں شرعی وکیلوں کو مقرر کر دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے دار الخلافہ پہنچنے سے معذور ہوں وہ ان وکلائے شرعی کے پاس رجوع کرکے اپنا استغاثہ پیش کریں۔ حسب الحکم تمام صوبہ جات میں شرعی وکیل مقرر کر دیئے گئے۔

پاکستان کی عدالتوں میں بھی ڈسٹرکٹ اٹارنی، ایڈووکیٹ جنرل اور اٹارنی جنرل سرکاری وکیلوں کے طور پر متعین ہیں۔

۲۔ نظامِ اپیل کی اصلاح

کرنل ڈوے بیان کے مطابق عالمگیر نے اپیل کے نظام میں اصلاح کی۔[2] اکبر بادشاہ ذاتی طور پر مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ مقدمات کے فیصلوں کے سلسلہ میں اس کی غیر جانبداری سے لوگ اتنے متاثر تھے کہ ملک کے دور دراز حصوں سے فیصلے کروانے آتے تھے۔ عالمگیر نے محسوس کیا کہ فریق مقدمہ

---

[1] منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۲۹

[2] Kolonal Daw, The History of Hindustan, Jhon Murray, London, 1792 V. II P. 334

کو دار الخلافہ آنے کے لئے بہت سا روپیہ اور وقت خرچ کرنا پڑتا ہے اس لئے اورنگ زیب عالمگیر نے اعلان کروایا کہ پہلی دفعہ مقدمات کو مقامی قاضی کی عدالت میں دائر کروایا جائے۔[۱]

اُس نے یہ حکم بھی دیا کہ ریاست کے افسران بالا ملکی قوانین کی اس حد تک وضاحت کر دیں کہ دار الخلافہ کا سفر شروع کرنے سے پہلے فریقِ مقدمہ اپنے تنازع کی نوعیت کو جان لے۔ دیوانی مقدمات کو ایک مخصوص رقم سے بالاتر ہونے کی صورت میں درج کیا جاتا تھا۔[۲]

۳۔ ریکارڈ کی جانچ پڑتال

انسانی حقوق کے متعلقہ دستاویزات کے بارے میں عوام الناس کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ جب چاہیں اپنے ریکارڈ کی پڑتال کریں۔ کرایہ جات کے اندراجات کا رجسٹر کھلے عام مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔

محمد بشیر احمد نے لکھا ہے:

> The Keepers of state records of rights were directed to permit the public to examine them.[3]

۴۔ عدالتوں کی نگرانی

اورنگ زیب عالمگیر نے تمام ممالک محروسہ کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے واقعہ نویس مقرر کر دیئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے کسی کونے پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوتا تو عالمگیر کو اس کی خبر ہو جاتی تھی۔

۱۶۷۱ء میں عالمگیر کو پتہ چلا کہ گجرات کے جج ہفتہ میں تین چھٹیاں کرتے ہیں اور محکمہ عدالت میں صرف

۱۔ علی محمد خان، مرآۃ احمدی، ص ۲۵۷-۵۸

2. Judicial system of Mughal Empire, P. 275

3. Ibid, P. 274

دو دن مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ بادشاہ نے انھیں سرزنش کی اور فرمان بھیجا کہ وہ شاہی عدالت کی پیروی کریں۔ خواجہ محمد ہاشم دلیو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ قاضیوں کو پانچ دن مقدمات نبٹانے پر مجبور کریں۔ جج صاحبان اپنا کام سورج نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد شروع کریں اور نماز ظہر کے وقت اپنے گھروں کو جائیں۔[1]

عالمگیری دور میں عدلیہ انتظامیہ سے الگ تھی

خلفائے اسلام ہی کے دور سے عدلیہ انتظامیہ سے الگ تھی۔ اس بارے میں سید امیر علی رقمطراز ہیں:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفۃ المسلمین ہیں جنھوں نے قاضیوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں اور انھیں انتظامی افسروں سے الگ رکھا۔ اس وقت قاضیوں کو حاکم بھی کہہ دیا جاتا تھا[2]

امیر علی کے بیان کے مطابق اسلام کے آغاز ہی میں قول وفعل کے لحاظ سے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھا گیا

ابن خلدون اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

وکان الخلفاء فی صدر الاسلام یباشرونه بانفسھم ولا یجعلون القضاء الی من سواھم واول من دفعه الی غیرہ و فوضه فیه عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه، فولّی ابا الدرداء معه بالمدینة و ولّی شریحا بالبصرة و ولّی ابا موسیٰ الاشعری بالکوفة وکتب له فی ذلك الکتاب المشھور الذی تدور علیه احکام القضاة۔[3]

یعنی اوائل اسلام میں خلفاء مقدمات کے فیصلے خود کرتے تھے اور اپنے سوا کسی کو قضا کی خدمات سپرد نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے قضا کے معاملات کو دوسروں کے سپرد کیا وہ

---

[1] Administration of Justice by The Mughals, P. 48

[2] Ameer Ali, History of Saracenes, P. 62

[3] ابن خلدون، مقدمہ، باب ۳، فصل ۳۱، ص ۱۸۱

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انھوں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ مدینہ طیبہ میں مقرر کیا۔ علاوہ ازیں قاضی شریح کو بصرہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ میں قضا کی خدمات سپرد کیں اور ایسے احکامِ قضا تحریر کئے جس پر قاضیوں کے احکام کا دارو مدار ہے۔

آج کل پاکستان میں عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنا بڑا مسئلہ ہے۔ پاکستان میں ہر حکومت آغاز میں یہی نعرہ لگاتی ہے کہ ہم عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیں گے۔ مگر بعد میں غالباً اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اس اہم مسئلہ کو سرد خانے کی نذر کر دیتی ہے۔ حالانکہ قرار دادِ مقاصد میں یہ وضاحت بھی ہے کہ عدلیہ انتظامیہ سے الگ ہوگی۔[1]

دور نہ جائیں، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد ہی کو لیجئے اس وقت عدلیہ انتظامیہ کے ماتحت نہ تھی اس لئے آزادانہ طور پر بغیر دباؤ کے فیصلے ہوتے تھے۔ اور مقدمات کے فیصلوں میں انتظامی امور کی وجہ سے دیر نہ لگتی تھی کیونکہ حکامِ قضا کو انتظامی امور سپرد نہ کئے جاتے تھے۔ بقول محمد بشیر احمد:

Hitherto the Judicial and the Executive functions in the Muslim Indian state had been separate except that the king or his representative in the province, the governor, combined them in his person. The lower ranks, that is the Qadis and the excutive officers functioned inpendently of each other. The Qadi had no "Excutive" duties and, as far as, was possible, the excutive officers were not invested with judicial powers.[2]

---

[1] صفدر محمود، ڈاکٹر، آئین پاکستان، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱، ص ۱۳

[2] Judicial system of Mughal Empire, p.281

یعنی تاہم مسلم انڈیا میں عدالتی اور انتظامی امور الگ الگ تھے ۔ صرف بادشاہ یا صوبے میں اُس کا نائندہ گورنر عدالتی اور انتظامی فرائض سرانجام دیتے تھے ۔ اس کے علاوہ ماتحت عدالتوں میں قاضی اور انتظامی افسر آزادانہ طور پر اپنے فرائض ادا کرتے تھے ۔ قاضی کے پاس انتظامی اختیار نہ ہوتے تھے اور جہاں تک ممکن تھا انتظامی افسروں کو عدالتی امور تفویض نہیں کئے جاتے تھے ۔

یہی وجہ تھی کہ انتظامی امور نہ ہونے کی وجہ سے قضاۃ ہمہ تن عدالتی امور کی طرف متوجہ رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ عالمگیر میں مقدمات کے فیصلوں میں بے جا تاخیر نہیں ہوتی تھی ۔

عالمگیر کا دیوانی نظامِ عدالت

خاندانِ تیمور کے سب بادشاہوں میں سے بلکہ دہلی کے سبھی تاجداروں کو مدِ نظر رکھا جائے تو سوائے سکندر لودھی کے کوئی ایسا نہیں کہ جو عالمگیر کی طرح مذہب کا دلدادہ ہو ، سادہ طبیعت اور انصاف پسند ہو بہادری ، جفاکشی اور قوتِ فیصلہ میں اس کا جواب نہیں ۔ [۱]

عدل و انصاف عالمگیر کے عہدِ حکومت کا سب سے روشن کارنامہ ہے ۔ عدل مہیا کرنے میں عزیز و بیگانہ ، غریب و امیر اور دوست و دشمن کی کوئی تمیز روا نہ رکھی جاتی تھی ۔ شبلی نعمانی رقعاتِ عالمگیری کے حوالے سے لکھتے ہیں " معاملات انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں " [۲] یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ غیروں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے ۔ اونگٹن اس سلسلہ میں رقمطراز ہے ؛

مغل اعظم عدل و انصاف کا دریائے اعظم ہے ۔ بادشاہ کے حضور سفارش ، امارت اور منصب

---

[۱] خافی خاں ، منتخب اللباب ، ص ۵۵۰

[۲] شبلی نعمانی ، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ، محمد دین اینڈ سنز لاہور (س ۔ ن) ص ۱۵۰-۵۱

کی کچھ پیش نہیں جاتی ۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اورنگ زیب اسی مستعدی سے سنتا ہے جس طرح کہ بڑے سے بڑے امیر کی۔[1] لین پول عالمگیر کے عدل کے بارے میں رقمطراز ہے :

اورنگ زیب عدل و انصاف کا پتلا تھا۔ اس کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں اس سے کوئی ظلم اور ناانصافی کا فعل سرزد نہیں ہوا۔[2] محمد ساقی عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں کہتے ہیں :

ودر افراغ عدل و داد بالشادہ پیشانی ونرم خوئی ہر روز دو سہ وقت استادہ شدہ دادطلبان را کہ بے ممانعت ببارگاہ معدلت جوق جوق راہ می یافتند و از غایت توجہ آنحضرت بے شائبۂ خوف وہراس عرض ہا مطلب خود می نمودند ، دادعدل می بخشیدند و اگر اطناب ومبالغہ درکلام یا ادای خارجہ ازانہا سر بر میزد اصلا بید ماغ نمی شدند واخمۂ ابرواز آنحضرت ملاحظہ نمی شد ۔ بارھا باریافتگان حضور پرنور جہت امتناع از صدور جسارتہا معروض ارفع نمودند ، می فرمودند کہ از استماع چنین کلمات و وقوع امثال این امور نفس را ملکہ تحمل حاصل میشود ۔[3]

یعنی عالمگیر کا دستور تھا کہ ہر روز دو یا تین مرتبہ منظرِ عام پر کھڑے ہوتے اور داد خواہ بغیر کسی رکاوٹ کے خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت بے حد کشادگی سے ان کے واقعات سنتے اور نہایت ملائم الفاظ میں بے حد شفقت کے ساتھ جواب دیتے تھے۔ عالمگیر کا طریقِ عمل اس درجہ کریمانہ ہوتا کہ اکثر افراد نہایت بے تکلفی سے بغیر کسی قسم کے خوف و خطر کے بادشاہ سے گفتگو کرتے ۔ سائلوں کے طولِ کلام اور بے جا اصرار و مبالغہ پر بھی چیں بجبیں نہ ہوتے تھے ۔ امرا نے بارھا عرض کیا کہ اہلِ احتیاج عرضِ حال میں بے ادبی کرتے ہیں ۔

---

[1] Ovington, Voyage to surat, Associated Publishing, New Dehli, 1984, PP. 193-94, 198

[2] Lanepoole stanely, Aurangzib, Oxford University Press Bombay 1930, P. 64

[3] محمد ساقی، ماثرِ عالمگیری، ص ۵۲۷ - ۲۸

اُن کو اس کی ممانعت کی جائے۔ عالمگیر ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ انھیں اس طرزِ عمل سے روکنا مناسب نہیں اُن کی یہ گفتگو میری اصلاح کرتی ہے اور میرے نفس کو تحمل کا خوگر بناتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی زندگی کا مقصد خدمتِ خلق اور عدل و انصاف بنالیا تھا۔ پیرانہ سالی میں بھی کھڑے ہوکر دربار میں لوگوں کی عرضیاں لیتا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے ان پر حکم لکھتا تھا۔ عالمگیر کے دور میں بنیادی طور پر عدالتی نظام وہی تھا جو مغلیہ دورِ حکومت میں عالمگیر سے قبل تھا لیکن اورنگ زیب نے اپنے دور میں نظامِ سلطنت میں جہاں کہیں قرآن و سنت سے انحراف دیکھا اُس کی اصلاح کی۔ معاملاتِ سلطنت کو اسلامی ضابطے کا پابند کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ممالک محروسہ میں اسلامی قانونی اصلاحات نافذ کی تھیں۔ قاضیوں کی تعداد میں اضافہ کیا اور پورے ملک میں شرعی وکیلوں کو متعین کیا تھا تاکہ عوام النّاس کو حصولِ انصاف میں آسانی میسر آئے۔ عالمگیر نے ملک کے طول و عرض میں عدل و انصاف کے حصول کے لئے مرکزی اور صوبائی عدلیہ کا نظام قائم کیا جو کہ حسب ذیل ہے:

۱۔ مرکزی نظامِ عدالت　　　۲۔ صوبائی نظامِ عدالت

۳۔ سرکار کا نظامِ عدلیہ　　　۴۔ پرگنہ کا نظامِ عدلیہ

۵۔ دیہاتوں کا عدالتی نظام

مرکزی نظامِ عدالت

مرکزی نظامِ عدالت میں حسب ذیل تین قسم کی عدالتیں تھیں

۱۔ شاہی عدالت　　　۲۔ عدالتِ امورِ مذہبیہ　　　۳۔ قانونِ رواج کی عدالت

۱۔ شاہی عدالت

شاہی عدالت کا منصفِ اعلیٰ بادشاہ ہوتا تھا جیسا کہ محمد بشیر احمد لکھتے ہیں:

The Emperor, like the Sultans of Delhi, was the head of judicial and the executive departments and the Centre of all civil and military authority ruling as an absolute monarch.[1]

یعنی سلاطینِ دہلی کی طرح بادشاہ عدلیہ اور انتظامیہ کا سربراہ ہوتا تھا اور ایک مطلق العنان حکمران کی طرح دیوانی اور فوجداری اختیارات کا مالک تھا۔ وہ عدالت کے لئے دربار لگاتا۔ ہر قسم کی اپیل سننے کا مجاز تھا۔ چونکہ ہر مسئلہ کی شرعی حیثیت اسے معلوم نہ ہوتی اس لئے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں وہ قاضی القضاۃ سے مشورہ لیتا تھا۔ ہر شہر میں حکومت کی جانب سے قاضی مقرر تھے۔ محمد اکبر عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

He is the truly great king who makes it the chief business of his life to govern his subject with equity.[2]

عالمگیر یقیناً ایک عظیم بادشاہ ہے جو اپنی رعایا کے ساتھ مساوات برتنے کو اپنی زندگی کا مقصدِ عظیم بنا لیتا ہے۔

شاہی عدالت کا طریقِ کار

عالمگیر مظلوم انسانوں کی روئیداد بذاتِ خود سنتا اور شریعت کے مطابق فیصلے کرتا۔ اس بات کی شہادت غیر ملکی سیاحوں نے بھی دی ہے۔ برنیئر جو عالمگیر کے دربار کا عینی شاہد تھا۔ اس نے بیان کیا ہے:

All the petitions held up in the crowd assembled the Am-Khas brought to the king and read in his

---

[1] Judicial System of Mughal Empire, P. 208

[2] Administration of Justice by the Mughals, P. 47

hearing; and the persons concerned being ordered to approach and examined by the monarch himself, who often redresses on the spot the wrong of the aggrieved party[1]

یعنی تمام شکایات ایک عوامی ہال میں، جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا، بادشاہ کو پیش کی جاتیں اور متعلقہ افراد کو بذات خود بادشاہ کے حضور پیش ہونے کے لئے کہا جاتا۔ بادشاہ موقع پر ہی مظلوم فریق کی دادرسی کر دیتا تھا۔ محمد کاظم اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وہ ذاتی طور پر مقدمات کا مطالعہ کرتا اور شریعت کی ہدایات کے مطابق زیادتیوں کے فیصلے کرتا[2] مقدمات کے فیصلے کے سلسلہ میں وہ شریعت کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے اور قرآن مجید کے احکامات کی روشنی میں فیصلے کرتے۔ جادوناتھ سرکار نے اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

Aurangzib was very anxious to dispense justice according to the Quranic law.[3]

یعنی اورنگ زیب اس بات کا شدید متمنی تھا کہ تمام مقدمات کے فیصلے قرآنی قوانین کے مطابق کئے جائیں محمد کاظم نے عالمگیر کے عدالتی طریقہ کار کے متعلق اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

دریں مجلس ہمایوں نیز داروغہ عدالت مستغیثان و دادخواہان را حاضر ساختہ عرض احوال و مطالب آنہا می نمایند۔[4]

---

1. Bernier Francois, Travels in the Mughal Empire tr. by Archibald Constable, Oxford University Press Bombay, 1934, P. 263
2. محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ص ۱۰۹۷-۹۸
3. Anecdotes of Aurangzib, M.C. Sarkar and Sons, Calcutta, 1963, P. 81
4. حوالہ سابق، ص ۱۱۵۲

اس مجلس میں داروغہ عدالت مظلوموں اور انصاف چاہنے والوں کو حاضر کرتا۔ ان کی عرضیاں پیش کی جاتی تھیں اور اُن کے ساتھ انصاف کیا جاتا تھا۔ یہی مصنف مزید لکھتے ہیں:

و خدمت اند احوال مستورات محنت زدہ و بیوگان و یتیمان بموقف عرض می رسانند[۱]

یعنی حرم میں دوبارہ وہ مصیبت زدہ عورتوں، بیواؤں اور یتیموں کی عرضداشتیں سنتا اور اُن پر ہونے والے مظالم کی تلافی کرتا۔ برنیئر عالمگیر کے طریقہ عدل کے متعلق یوں اظہار خیال کرتا ہے:

اُس کا انداز خلفاء عباسی اور دیگر ایشیا کی اسلامی ریاستوں جیسا ہے کہ درخواست ملنے پر مذکورہ آدمی کو سمن جاری کیے جاتے تھے اور فریقین کی موجودگی میں شہادتیں ہوتی تھیں۔ شہادتوں کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی تفتیش کی جاتی تھی۔[۲] اسی مصنف نے مزید لکھا ہے:

[۳] شاہانِ ایشیا جنھیں ہم عموماً غیر مہذب سمجھنے کے عادی ہیں وہ اپنی رعایا کی داد رسی کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہے

مشہور سیاح منوچی بھی جو اس عدالت کا چشم دید گواہ ہے، لکھتا ہے کہ بادشاہ دیوانِ عام کے استغاثوں کی سماعت کرتا۔ دکھی مظلوم انسان خود بادشاہ کے حضور شکایت پیش کرتے۔[۴]

سری رام شرما طریقہ عدل کے بارے نقل کرتا ہے:

جب مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا جاتا تو مخالف فریق کو تحریری حکم نامے کے ذریعے عدالت میں طلب کر لیا جاتا۔ ثبوت مہیا کرنے کی ذمہ داری دونوں فریقوں پر ہوتی۔ پھر دونوں طرف سے شہادتیں لی جاتیں شہادتیں مکمل ہونے کے بعد منصف معاملہ کی خود تفتیش کرتا۔ اس طرح وہ بہتر فیصلہ کر سکتا تھا۔

---

۱ محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ص نمبر ۱۱۰

2 Travels in the Mughal Empire, P. 263

3 Ibid

4 Mannocci, Storia Do Mogor tr. by William Irvine, John Murray Street, London, 1907, Vol. II P. 462

عام طور پر فیصلے کے ساتھ ایک محضر نامہ بھی پیش کیا جاتا جو مدعی کی طرف سے اس بات کا اعلان ہوتا کہ وہ فیصلے سے مطمئن ہے۔[1]

شرما کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح فیصلہ تک پہنچنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی۔ قاضی شہادتوں کے علاوہ اپنے طور پر بھی معاملے کی تفتیش کرتا۔ اپنے طور پر تفتیش جائے وقوعہ پر پہنچے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قاضی جائے وقوعہ پر پہنچ کر یا کسی کو بھیج کر معاملہ کی تہ تک پہنچتے اور پھر پوری کوشش کے بعد مقدمہ کا فیصلہ کرتے جس پر مدعی بھی تحریری طور پر اظہار اطمینان کرتا۔

عدالت کے ایام

اورنگ زیب عالمگیر روزانہ مقدمات کی سماعت کرتا اور داد خواہان کو انصاف مہیا کرتا تھا جیسا کہ منشی محمد کاظم کہتے ہیں:

مقدمات کی سماعت کے سلسلہ میں عالمگیر روزانہ ایک مقررہ شیڈول پر عمل کرتا۔ صبح کی نماز کے بعد وہ خلوت گاہ میں چلا جاتا اور مقدمات کے فیصلے کرتا۔[2] ایس۔ ایم۔ اکرام کے الفاظ میں:[3]

Aurangzib likewise dispensed justice daily in his private Chamber

یعنی اپنے باپ شاہ جہان کی طرح اورنگ زیب بھی اپنے حرم میں ہر روز انصاف سے مقدمات کے فیصلے کرتا بدھ کے دن خاص مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا جیسا کہ محمد کاظم سے منقول ہے:

و از ایام ہفتہ روز چہارشنبہ خاص بامر عدالت است و آن روز بدیوان خاص و عام شرف حضور نمی بخشند و جمیع متصدیان عدالت و قاضی عساکر و مفتیان و فضلاء و علماء و ارباب عمائم و شحنگان شہر در محفل خلد آئین غسلخانہ حاضر آمدہ ہمگی اوقات قدسی صفات معروف

1۔ Mughal Government and Administration, Hind Kitab Ltd. Bombay, PP. 203-04

۲۔ محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ص ۱۰۹۷

3۔ History of muslim civilization in India and Pakistan, Institute of Islamic culture, Lahore, 1989, P. 121

بعدل پروری و دادگستری می شود۔[1]

یعنی ہفتہ میں بدھ کے دن خاص عدالت لگتی تھی اس میں ہر خاص وعام کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ عدالت کے منشی، قاضی عساکر، مفتیان کرام، فضلاء وعلماء حوزات اور امرائے شہر اس مجلس میں حاضر ہوتے اور بادشاہ سلامت سارا دن مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔

اس موقع پر قانونی امداد کے لئے قاضی القضاۃ اور دوسرے علمائے فن عالمگیر کے پاس موجود ہوتے۔ یہ عدالت اتنی باقاعدگی سے لگائی جاتی کہ اگر کسی روز اتفاق سے بادشاہ موجود نہ ہوتا تو کسی دوسرے روز یہ عدالت لگائی جاتی۔ بقول لین پول:

On another day of the week, he devoted two hours to hear in private the petitions of ten persons selected from the lower orders and presented to the king by a good and rich old man. Nor does he fail to attend the justice chamber on another day of the week, attended by two principal qazis or chief justices[2]

یعنی ہفتہ کے کسی اور دن بادشاہ تخلیے میں دو گھنٹوں کے لئے بیٹھتا۔ جہاں وہ ایک خوش پوش درباری کی طرف سے پیش کئے گئے ادنیٰ طبقے سے منتخب دس اشخاص کی عرض داشتیں سنتا۔ ہفتہ میں ایک دوسرے دن بادشاہ دو قاضیوں یا قاضی القضاۃ کی موجودگی میں اپنے خلوت خانہ میں عدالتی فیصلے کرتا۔

ادنیٰ طبقے سے منتخب کردہ دس اشخاص کے ساتھ عدل کا سلوک عالمگیر کی بلندیٔ کردار کی دلیل ہے چونکہ مساکین بے بس ہوتے ہیں

---

[1] محمد کاظم؛ عالمگیر نامہ، ص 1102

[2] Lanepoole, Aurangzeb, P. 103

عدالت کا وقت

اورنگ زیب عالمگیر کا یہ معمول تھا کہ وہ صبح کی نماز کے بعد اپنے خلوت خانے میں چلے جاتے اور پیش آمدہ مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ عالمگیر کو پتہ چلا کہ مملکت کے کچھ قاضی مقدمات نبٹانے کے سلسلہ میں عدالت کے وقت کی پابندی نہیں کرتے تو بذریعہ دیوان قاضیوں کو فرمان جاری کیا کہ جج صاحبان اپنا کام سورج نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد شروع کریں اور نماز ظہر تک مقدمات کا فیصلہ کریں۔[1]

چند دیوانی مقدمات

عالمگیر مقدمات کا فیصلہ کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآن مجید کے احکامات کو مدنظر رکھتے تھے پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھتے تھے۔ مقدمات کے فیصلوں میں آسانی مہیا کرنے کے لئے انھوں نے جید علماء کرام سے فتاوٰی عالمگیری مرتب کروائی۔ لوگوں کو جلد انصاف مہیا کرنے کے لئے ملک بھر میں شرعی وکیل مقرر کئے۔ ایک دیوانی مقدمہ شرعی وکیل کے ذریعے دائر کیا گیا جس کی تفصیل خافی خاں نے اس طرح بیان کی ہے:

سورت کے تاجروں کا استغاثہ

جب اورنگ زیب نے اعلان کروایا کہ بادشاہ کے خلاف شرعی دعوٰی کے سلسلہ میں شرعی وکیل کی وساطت سے استغاثہ دائر کیا جا سکتا ہے تو سورت کے چند تاجروں کی طرف سے ملک التجار حاجی زاہد کے بیٹے محمد محسن اور پیرجی بھورا کے بیٹے نے محمد علی خاں سرپرست کی وساطت سے عالمگیر بادشاہ کے خلاف شرعی وکیل کے پاس استغاثہ دائر کر دیا کہ مذکورہ تاجروں سے محمد مراد بخش (عالمگیر کا چھوٹا بھائی)

---

1. Mirut-i-Ahmadi C/F Administration of justice by the mughals, P.48

کے متصدیوں نے بندرگاہ سورت کے مقام پر وصول کردہ ان اشرفیوں کو صندوقوں میں سربمہر رکھ دیا تھا جب محمد مراد بخش قید ہو گیا تو اس کا سارا خزانہ جس میں مذکورہ صندوق بھی تھے اور جن پر "بندرگاہ سورت کے تاجروں کی رقم" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اسی طرح سربمہر بادشاہی خزانے میں داخل کر دیئے گئے تھے، مذکورہ رقم جو ہمارا حق ہے سرکار پر واجب الادا ہے اس لئے یہ عریضہ ملاحظہ شاہی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس عریضہ پر بادشاہ نے حکم دیا کہ ثبوت مہیا کر کے اپنی رقم واپس لے لیں۔ محمد علی خاں نے، جو مذکورہ تاجروں کی سرپرستی کر رہا تھا، نے کہا کہ ثبوت ضابطۂ دیوانی کے مطابق مہیا کیا جائے یا شرعی حکم کے تحت۔ حکم ہوا ان دونوں میں سے جس طرح بھی ثابت ہو جائے ہم اس کا حق ادا کر دیں گے۔ اس حکم کے بعد محمد محسن نے محمد علی خاں کی مدد سے اپنا دعویٰ مرتب کیا۔ اسی زمانے میں "فتاویٰ عالمگیری" مرتب ہوئی تھی۔ محمد محسن نے اسی فتاویٰ کی ایک روایت پر فتویٰ نکلوا لیا کہ "اس صورت میں کہ میت کے متروکہ پر ★ اس کا کوئی وارث متصرف ہو جائے تو میت کے قرض کی رقم کا ادا کرنا بھی اس پر واجب اور لازم ہے"

اس عریضہ کے ساتھ اس نے حال کے ثبوت میں وہ فرد حساب بھی پیش کی جو بادشاہی محکمہ میں اس عبارت کے ساتھ داخل مثل تھی کہ "محمد مراد بخش کے اموال سے منجملہ پانچ لاکھ اشرفیاں بابت قرض حاجی زاہد اور پیر جی تاجران سورت بحق سرکار ضبط کی گئیں" جب یہ کاغذات بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوئے بادشاہ نے مطالعہ کرنے کے بعد کچھ دیر غور کیا اور اس کا جواب دینا چاہتا تھا کہ محمد محسن نے عرض کیا کہ فدوی کی غرض تو صرف یہ تھی کہ ہم بندوں کا حق حضور پر واضح ہو جائے۔ اب ہم یہ رقم دین پرور عدالت شعار بادشاہ کی نذر کرتے ہیں اس کی عرض پر بادشاہ نے محمد علی خاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ محمد محسن نے اپنا حق ہم کو بخش دیا۔ بادشاہ نے محمد محسن کو ایک گھوڑا، ہاتھی اور خلعت عطا کی۔[1] اس سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ اپنے خلاف فیصلہ سنانے ہی والا تھا کہ محمد محسن نے رقم کی معافی کا اعلان کر دیا۔

---

[1] منتخب اللباب، ص ۲۴۹ — ۵۱

★ یعنی مراد بخش کے متروکہ پر چونکہ متصرف ہو چکا ہے اس لئے اس کے قرضے کی ادائیگی بھی بادشاہ پر لازم ہے
(منتخب اللباب، ترجمہ فاروقی، ص ۲۳۱)

۱۔ محمد امین کی عہدہ سے برخاستگی

محمد امین (عالمگیر کا قریبی عزیز) کو سورت کی دیوانی اور فوجداری دونوں عہدے دیئے گئے اور منصب کی ترقی بھی دی گئی لیکن محمد امین کے خائن ہونے کی شکایت پر اس کا تمام مال ضبط کر لیا اور عہدہ بھی واپس لے لیا۔[۱]

۲۔ عدالت امورِ مذہبیہ

ایس۔ ایم۔ اکرام مغلیہ خاندان کی عدالتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت دو قسم کی عدالتیں ؛ مذہبی عدالتیں اور غیر مذہبی عدالتیں موجود تھیں۔[۲] مذہبی عدالت میں قاضی القضاۃ اور قاضی کی عدالت ہوتی تھی۔ ان میں سب سے بڑی عدالت قاضی القضاۃ کی ہوتی تھی جو کہ مرکزی عدالت کی حیثیت رکھتی تھی۔

قاضی القضاۃ کی عدالت

بادشاہ قاضی القضاۃ کی تقرری کرتا تھا۔ ابن حسن اس تقرری کے بارے میں لکھتے ہیں:

The king appointed the chief qazi (i.e. sadr) who possessed the powers of judge. The sadr had the power of appointing sub-ordinate qazis in the dominions, though the king's sanction was necessary in all such appointments.[۳]

---

[۱] محمد حسن، مرآۃ احمدی، ترجمہ آئینۂ گجرات، ترجمہ رضی الحق، ص ۱۳۹۔ ۴۰

[2] History of Muslim civilization in India and Pakistan, P.421

[3] The central structure of the Mughal Empire, P.315

یعنی بادشاہ قاضی القضاۃ کی تقرری کرتا جسے جج کے اختیارات حاصل ہوتے - قاضی القضاۃ بادشاہ کی اجازت سے ماتحت قاضیوں کی تقرری کرتا تھا - وی - ڈی - مہاجان قاضی القضاۃ کے بارے کہتا ہے۔

The chief qazi was the highest judicial officer and was responsible for the proper and efficient administration of justice --- He was the judge in religious suits only and tried them according the muslim law.[1]

یعنی چیف قاضی عدلیہ کا افسر اعلیٰ تھا اور وہ عدلیہ کو صحیح طور پر چلانے کا ذمہ دار تھا - وہ مذہبی مقدمات سنتا اور اس کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا۔ واحد حسین کے نزدیک قاضی القضاۃ عدلیہ کا افسر اعلیٰ تھا اور اس کی عدالت ریاست میں سب سے بڑی عدالت تھی - یہ عدالت عموماً دار الخلافہ میں واقع ہوتی تھی - ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے ہی قاضی القضاۃ کی عدالت قائم کی - قاضی القضاۃ کا تقرر دار الخلافہ کے علاوہ ریاست کے اہم صوبوں میں بھی ہوتا تھا -[2]

قاضی القضاۃ عدالتی نظام کے متعلق بادشاہ کو مشورے دیتا - صوبہ جات میں قاضی مقرر کرتا - داروغۂ عدالت، مفتی اور میر عدل بھی اس کے ماتحت تھے - عدالتی نظام کا قیام اور اس کا نظم ونسق اس کی ذمہ داری تھی - وہ نہ صرف فوجداری اور دیوانی مقدمات سنتا بلکہ ماتحت عدالتوں کے خلاف اپیلیں بھی سنتا اور بادشاہ کو مقدمات میں مشورہ دیتا[3]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وی - ڈی - مہاجان کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ صرف مذہبی نوعیت کے مقدمات سنتا تھا - دورِ عالمگیر میں نہ صرف قاضی القضاۃ بلکہ قاضی بھی دیوانی اور فوجداری مقدمات سننے کے مجاز تھے

---

1. Mughal Rule in India, S. Chand and Company Delhi 1962, P. 202
2. Administration of justice during the muslim rule in India, PP. 169-70
3. Zameer-ud-din siddique, The Institution of Qazi under The Mughals Medieval India, Asia Publishing House London, 1949, PP. 243-44

طریقۂ قضا

قاضی القضاۃ کے طریقہ قضا کے بارے میں خافی خاں بیان کرتے ہیں

قاضی القضاۃ شیخ الاسلام دیانتداری سے مقدمات کی تنقیح کرنے کے بعد فیصلہ کرتے تھے۔ زمانے کے بگاڑ کو پیش نظر رکھ کر اکثر لوگ شہادتوں میں مبیّنہ طور پر دروغ گوئی سے کام لینے کے عادی تھے۔ شیخ الاسلام گواہوں کے پیش ہو جانے کے بعد بھی اثباتِ حق کا کم ہی فیصلہ دیتے تھے بلکہ تا مقدور مدعی اور مدعا علیہ میں مصالحت کرانے کی کوشش کرتے تھے۔[۱]

مشہور قاضی القضاۃ

۱۔ عبدالوہاب بوہرہ ۱۶۵۹ – ۱۶۷۵	۲۔ شیخ الاسلام ۱۶۷۶ – ۱۶۸۲
۳۔ سید ابو سعید ۱۶۸۳ – ۱۶۸۵	۴۔ خواجہ عبداللہ ۱۶۸۵ – ۱۶۹۸
۵۔ محمد اکرم ۱۶۹۸ – ۱۷۰۶	۶۔ ملا حیدر ۱۷۰۶ – ۱۷۰۷[۲]

قاضی کی عدالت

قاضی کی تقرری کے بارے میں ابن حسن لکھتے ہیں

... The qazis of suba and of qusbat are appointed through the chief Sadr and take charge of their duties on the basis of the sanad of the court through the Provincial Sadr[3]

یعنی چیف صدر (قاضی القضاۃ) صوبے اور قصبات میں قاضیوں کی تقرری کرتا تھا۔ وہ اپنے

۱؎ خافی خاں، منتخب اللباب، ترجمہ محمود احمد فاروقی، ص ۳۳۹ – ۵۰

2 Muhammad Ullah, Administration of justice in Islam, Law publishing Company, Lahore (N.D.) P.70

3 The central structure of the Mughal Empire, P.316

فرائض کا چارج سند میں ذکر کئے گئے اختیارات کی بنا پر لیتا تھا - یہ سند عدالت کی طرف سے قاضی صوبہ کے ذریعے قاضیوں کو دی جاتی تھی -

قاضی کے اختیارات

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں قاضیوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا اور انھیں کافی اختیارات مل گئے. وہ تمام مقدمات کے فیصلے قانونِ الہی کے مطابق کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ملکی رسم و رواج کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے -

خافی خاں قاضیوں کے اختیارات کی وسعت کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

عالمگیر بادشاہ نے تمام امور ملکی و جزئی اور کلی مقدمات میں قاضیوں کو اتنے اختیارات دے دیئے کہ سلطنت کے صاحب مدار بڑے بڑے امرا بھی ان سے رشک و حسد کرنے لگے - ان میں سے قاضی عبدالوہاب احمد آبادی جو دربار کا قاضی القضاۃ تھا وہ اس قدر با اختیار آدمی تھا کہ بڑے بڑے نامی گرامی امرا کو بھی اس کے سامنے اپنی آبرو بچانے کی فکر پڑ جاتی تھی - [1]

ڈی. پی - سرن [2] کے قول کے مطابق قاضی کو صرف دیوانی اور مذہبی مقدمات کا فیصلہ کرنے کا اختیار تھا مگر محمد بشیر احمد [3] کے بقول قاضی کو دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات سننے کا اختیار تھا -

آزادی رائے

عالمگیر کے دور میں قاضیوں کو آزادی رائے حاصل تھی - قاضی حق بات کہنے کے سلسلہ میں بادشاہ سے بھی نہیں ڈرتے تھے جیسا کہ خافی خاں رقمطراز ہے :

عالمگیر نے قاضی شیخ الاسلام سے بیجاپور اور حیدرآباد کی مہمات کے جواز میں مسئلہ دریافت کیا تھا -

---

[1] خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۲۱۵ - ۱۶

[2] Provincial Administration of the Mughals PP 353-55

[3] The Administration of justice in Medieval India PP. 150, 153, 166

اور قاضی نے خلافِ مرضی جواب دیا تھا۔ چونکہ قاضی عرصۂ دراز سے بیت اللہ کی زیارت کا شوق رکھتا تھا اور اب جو یہ بات پیدا ہوئی تو اس نے عہدہ قضا سے استعفیٰ دے دیا اور حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد قاضی عبداللہ اس کی جگہ مقرر ہوئے۔ اس نے ایک دن عالمگیر سے کہا کہ ابوالحسن مسلمان ہے اور بادشاہ کے حکم کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور اس لڑائی میں ہر روز مسلمان قتل ہو رہے ہیں اگر بادشاہ ابوالحسن کے قصور کو معاف کر دیں تو "الصلح خیر بہ قتال وجدال" کے مطابق مصالحت کی صورت نکل آئے گی اور شرع کے مطابق مسلمانوں پر یہ رحم بیجا نہ ہوگا۔ اس بات پر عالمگیر برہم ہوا۔[1]

جے۔ این۔ سرکار بھی اس واقعہ کی تائید میں لکھتا ہے:

قاضی القضاۃ شیخ الاسلام نے اورنگ زیب عالمگیر کو مسلمانوں کے درمیان لڑائیوں سے منع کیا۔ اس مخالفت سے عالمگیر ناراض ہو گیا۔ ایماندار اور جرأت مند قاضی نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور دربار کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں عالمگیر نے اسے بار بار عہدہ قضا قبول کرنے کی درخواست کی مگر شیخ الاسلام نے یہ عظیم عہدہ بھی قبول نہ کیا۔[2]

قاضی کے فرائض

ابن حسن قاضی کے فرائض کے متعلق کہتا ہے:

تقرری کے بعد قاضی اپنے سے پہلے قاضی سے تمام دستاویزات وصول کرتا۔ وہ کاغذات حکومت کے متعلق ہوتے یا مقدمات کے فریقین کے متعلق ہوتے۔ وہ کتابِ حکم (فیصلوں کا رجسٹر) کو بھی اپنی تحویل میں لے لیتا۔ وہ اپنے علاقے کے تمام اوقاف کا متولی ہوتا۔ اپنی تقرری کے بعد وہ جیلوں کا معائنہ کرتا۔ قیدیوں کے حالات اور ان کے مقدمات کی نوعیت دریافت کرتا۔ اگر وہ مناسب سمجھتا تو بے گناہ

---

[1] خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۳۴۳

[2] Anecdotes of Aurangzib, M.C. Sarkar and Sons, Calcutta, 1963, P. 14

قیدیوں کو رہا کر دیتا۔ مگر رہا کرنے سے پہلے وہ قیدیوں کے حالات کی پوری تحقیق کر لیتا۔[1]

اشتیاق حسین قریشی قاضی کے فرائض کے سلسلہ میں رقمطراز ہے:

وہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کے علاوہ دیوانوں، دیوالیہ لوگوں، یتیموں اور مخبوط الحواس لوگوں کی جائیداد کی نگرانی کرتا۔ مرنے والے کی وصیت کی تکمیل کرتا۔ جن کا کوئی سہارا نہ ہوتا ایسی بیواؤں کی شادی کا انتظام کرتا۔ فلاح عام سے متعلق عمارات کی دیکھ بھال کرتا۔[2]

مشہور قضاۃ

اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے مشہور قضاۃ یہ ہیں:۔

۱۔ قاضی عبدالوہاب ۲۔ قاضی شیخ الاسلام ۳۔ قاضی صدر الدین ہرگامی

۴۔ قاضی محمد حسین جون پوری ۵۔ قاضی شہاب الدین[3]

رشید اختر ندوی نے اپنی کتاب میں چند اور مشہور قاضیوں کا ذکر کیا ہے:۔

۱۔ قاضی ابو سعید ۲۔ قاضی خواجہ عبد اللہ ۳۔ قاضی محمد اکرم ۴۔ قاضی ملا حیدر[4]

محمد بشیر احمد نے مندرجہ ذیل قاضیوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ قاضی محمد رشید ۱۶۶۱ء ۲۔ قاضی جمال الدین غلام حضرت میراں ۱۶۶۵ء ۳۔ قاضی جعفر محمد ۱۶۶۶ء

۴۔ قاضی حبیب اللہ قضیانوی ۱۶۸۶ء ۵۔ قاضی قطب الدین قضیانہ ۱۶۸۶ء ۶۔ قاضی عبدالغفور ۱۶۸۶ء

۷۔ قاضی غلام محمد امیر معلّٰی ۱۶۸۶ء ۸۔ قاضی جمال خواجگان ۱۶۸۶ء ۹۔ قاضی شیخ غلام محمد ۱۶۸۸ء

۱۰۔ قاضی بہاء الدین ۱۶۸۹ء ۱۱۔ قاضی شیخ عبد اللہ ۱۶۸۹ء ۱۲۔ قاضی محمد ماہ ۱۶۹۲ء ۱۳۔ قاضی مرتضیٰ ۱۶۹۲ء

۱۴۔ قاضی محمد بن عبد الواحد ۱۷۰۰ء ۱۵۔ قاضی خان ۱۷۰۱ء ۱۶۔ قاضی عبد الواحد ۱۷۰۴ء[5]

---

1. The Central structure of The Mughal Empire, P. 312
2. Administration of The Mughal Empire, P. 188
3. سعدی سنگروری، اورنگ زیب، مکتبہ پاکستان چوک انار کلی لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۹۰
4. اورنگ زیب، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۱
5. The Administration of Justice in Medieval India, PP. 24-25

۳۔ قانونِ رواج کی عدالت

اس عدالت کے تحت درج ذیل عدالتیں تھیں:۔

i۔ دیوانِ اعلیٰ کی عدالت ii۔ میر عدل کی عدالت

iii۔ صدرِ جہاں کی عدالت iv۔ عادل کی عدالت

رواجی قانون کی عدالت غیر مذہبی مقدمات کے فیصلے کرتی تھی۔ علاوہ ازیں اس عدالت میں ہندوؤں بدھ مت کے پیروکاروں اور دیگر غیر مسلموں کے فیصلے ہوتے تھے۔ رواجی قانون کی عدالتوں میں پنڈت اور غیر مسلم عالم مقدمات کی سماعت میں امداد کے لئے موجود ہوتے تھے۔

i۔ دیوانِ اعلیٰ کی عدالت

دیوانِ اعلیٰ ایک وزیر سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ اعلیٰ تقرریوں، ترقیوں، چھٹیوں کی منظوری اور بڑے پیمانے پر ادائیگی کے لئے دیوان اعلیٰ کی اجازت ضروری تھی۔ صوبائی دیوان بھی اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔ اس کی مہر کے بغیر دستاویزات کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی۔ محمد بشیر احمد اس کے متعلق بیان کرتا ہے:

He was the final Authority on revenue and financial matters, and only in rare cases was any petition made against him to the emperor. He was mainly occupied with matters of financial policy in the state and judicial work from the provinces in form of appeals seldom to him.[۱]

---

۱ Judicial system of Mughal Empire, P. 224

یعنی مالی مقدمات کے لئے دیوان اعلیٰ کی عدالت فیصلہ کن اختیارات رکھتی تھی۔ مالی مقدمات میں اس کے خلاف درخواست کم ہی بادشاہ کو پیش کی جاتی تھی۔ وہ مملکت میں مالیاتی پالیسی مرتب کرتا تھا۔ اس کے پاس صوبے کی عدالتوں کے خلاف اپیل شاذ و نادر ہی آتی تھی۔

ii۔ میر عدل کی عدالت

میر عدل کا یہ فرض تھا کہ وہ فریقین کو عدالت میں پیش کرے اور جو فیصلے صادر ہوں انھیں نافذ کرے۔ میر عدل کے لئے فقہ اور مقامی رسم و رواج سے واقف ہونا ضروری تھا۔ میر عدل کے بارے میں واحد حسین رقمطراز ہے:

In India, the muslim Sovereign (Tughlaq and Mughal) established the courts of Mir-i-Adl. Mir ordinarly dealt with the revenue cases, unless otherwise empowered to decide civil suits.[1]

یعنی ہندوستان میں مسلم حکمرانوں (تغلق اور مغل) نے میر عدل کی عدالتیں قائم کیں۔ میر عدل عام طور پر مالی نوعیت کے مقدمات سنتا تھا۔ اختیارات مل جانے کی صورت میں دیوانی مقدمات کا بھی فیصلہ کرتا تھا۔ ڈاکٹر بینی پرشاد کے قول کے مطابق قاضی اور میر عدل کا تقرر ہر قصبہ میں ہوتا۔[2]

iii۔ صدر جہاں کی عدالت

صدر جہاں کو صدر الصدور بھی کہا جاتا تھا۔[3] صدر الصدور ان معاملات کی نگرانی پر مامور تھا جو عطیات سے متعلق ہوتے تھے۔ وقتاً فوقتاً بادشاہ اور دیگر مغل شہزادے دیندار اشخاص اور علماء کو عطیات دیتے

---

1. Administration of justice during the muslim rule in India P:172
2. Seksena, Bene Parshad, History of Jhangir, The Indian press Allahabad, 1930, P. 281
3. Wahed Hussain, Administration of justice during the muslim rule, P. 64

تھے۔ یہ عطیات بذریعہ صدر جہاں مذکورہ اشخاص کو دیئے جاتے تھے۔ ہر صوبہ میں ایک صدر ہوتا تھا۔

صدر الصدور بادشاہ اور رعایا کے درمیان رابطے کا کام کرتا تھا۔ وہ اسلامی قانون کا محافظ اور علماء کا ترجمان ہوتا تھا۔ صدر کے فرائض و اختیارات کے بارے میں محمد بشیر احمد بیان کرتا ہے کہ مغلیہ حکمرانوں کے دور میں صدر کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ تمام شرعی فیصلوں میں اس کی منظوری ضروری ہوتی تھی۔ وہ قاضی صوبہ، قاضی سرکار، محتسب، اماموں اور اوقاف کے متولیوں کے تقرر نامے جاری کرتا۔ اس کے علاوہ وظائف اور خیراتی صدقات کے اجازت نامے بھی صادر کرتا۔ بادشاہ نے اسے اپنے محکمانہ آفیسران کے انتخاب کی دوسروں کی نسبت زیادہ آزادی دے رکھی تھی۔[1] بقول واحد حسین:

صدر دربار میں منعقد ہونے والی تقریبات کا بھی انتظام و انصرام کرتا۔ وہ دیوانی مقدمات سنتا اور اختیارات تفویض ہونے پر ماتحت عدالتوں کے خلاف اپیلیں سننے کا بھی مجاز تھا[2]

۱۷۔ عادل کی عدالت

رواجی قانون کی عدالتوں میں یہ آخری ماتحت عدالت تھی۔ اس عدالت کے بارے میں واحد حسین نے بیان کیا ہے:

He (Adl) was the civil judge of the court of Common law and authorized to deal with certain classes of cases which were not in the cognizance of the qazi.[3]

یعنی عادل رواجی قانون کی عدالت کا سول جج تھا وہ اس قسم کے مقدمات سننے کا اختیار رکھتا تھا جو قاضی کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے تھے۔ عادل تقرر نامے میں مذکور اختیارات کو استعمال کرنے کا مجاز تھا۔

---

1. Judicial system of Mughal Empire, PP. 212-13
2. Administration of justice during the Muslim rule in India PP. 64-65
3. Ibid, PP. 62-63

صوبائی نظام عدالت

واحد حسین نے صوبائی نظام عدالت کو اس طرح تقسیم کیا ہے:

The Court of Common Law

Tribunal	Presiding officer
1. The Diwan-i-Adalat (chief civil court)	The Diwan
2. The subordinate civil court of the sadr	The Sadr (Civil Judge)
3. The subordinate civil court of the Adl	The Adl (civil Judge

The Court of Canon Law

1. The court of the chief Qazi	The Qazi-ul-Quzat
2. The subordinate court of the Qazi	The Qazi
3. The subordinate court of the Naib Qazi	The Naib Qazi [1]

مرکزی نظام عدالت کی طرح صوبے میں بھی دونوں قسم کی عدالتیں موجود تھیں:-

۱. رواجی قانون کی عدالت ۲- عدالت امور مذہبیہ

---

[1] Wahed Hussain, Administration of justice during the Muslim Rule in India, P. 80

۱۔ رواجی قانون کی عدالت

اس میں تین قسم کی عدالتیں تھیں

i۔ عدالتِ نظامت ii۔ صدر کی عدالت iii۔ عامل کی عدالت

عدالت نظامت کا سربراہ صوبیدار ہوتا تھا۔ صوبے میں نظم ونسق قائم کرنا اس کی سب سے بڑی ذمہ داری تھی[1] محمد بشیر احمد کے بقول:

صوبیدار کو بنگال اور گجرات میں ناظم کہتے تھے۔ نظم ونسق کے علاوہ عدل وانصاف کا قیام بھی اس کا اہم فریضہ شمار کیا جاتا تھا۔ گورنر کی عدالت کے خلاف اپیل عرضداشت کی صورت میں بادشاہ اور قاضی القضاۃ کی عدالت میں دائر کی جاسکتی تھی۔[2]

صوبیدار کی عدالت کے علاوہ رواجی قانون کی عدالت میں ایک صدر کی عدالت ہوتی تھی جو صدرِجہاں کے ماتحت کام کرتی تھی۔ صدر دیوانی مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ اس کے فیصلے کے خلاف مرکز میں صدرِجہاں کی عدالت میں اپیل کی جاسکتی تھی۔ اپیل سننے کے اختیارات حاصل ہونے کی صورت میں وہ اپیلیں بھی سنتا۔[3] اس کے علاوہ عامل کی عدالت بھی صوبے میں دیوانی مقدمات کے فیصلے کرتی تھی۔

۲۔ عدالت امورِ مذہبیہ

عدالتِ امور مذہبی میں قاضی صوبہ اور قاضی کی عدالتیں تھیں۔ مرکز میں قاضی القضاۃ کے علاوہ

---

[1] Judicial system of Mughal Empire, P. 100

[2] Ibid, P. 225

[3] Wahed Hussain, Administration of justice during the Muslim Rule in India, P. 82

صوبے میں بھی قاضی القضاۃ ہوتا تھا جسے قاضی صوبہ بھی کہتے تھے۔ صوبے میں قاضی القضاۃ کی عدالت کے بارے میں واحد حسین لکھتا ہے:

خلیفہ کی عدالت کے علاوہ قاضی القضاۃ کی عدالت صوبے میں سب سے بڑی عدالت تھی۔ بعض اوقات قاضی اعلیٰ بعض مقدمات کی ابتدائی سماعت کرتا تھا مگر اس کا اہم فریضہ ماتحت عدالتوں کے خلاف اپیلیں سننا تھا۔[1]

ڈی۔ پی سران قاضی صوبہ کے فرائض کے بارے میں لکھتا ہے:

۱۔ وہ مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا ۲۔ معذور افراد کی جائیداد کی حفاظت کے لئے اُن کے سرپرست مقرر کرتا تھا۔
۳۔ وقف جائیداد کا انتظام کرتا تھا ۴۔ بیوہ عورتوں کی شادی کے انتظامات کی نگرانی کرتا تھا۔
۵۔ شرعی سزاؤں کا نفاذ کرتا تھا۔ ۶۔ قانون کے افسروں کی نگرانی، تقرری اور تنزلی کے احکامات جاری کرتا تھا
۷۔ جہاں صدقے جمع کرنے کے لئے کوئی آفیسر مقرر نہ کیا جاتا اُن علاقوں میں قاضی ہی غریبوں کے لئے صدقات جمع کرتا۔
۸۔ دیہاتوں میں قاضی القضاۃ ہی قاضی مقرر کرتا تھا۔[2]

ابن حسن مقامِ عدالت کے بارے میں کہتا ہے

According to Barni, under Ala-ud-Din Khilji, the qazis held courts in mosques, but under the Mughals, they held them in Government buildings and were prohibited from holding them at their own residence.[3]

---

[1] Ibid P. 169

[2] The Provincial Government of the Mughal (1526-1658) Faran Academy, Lahore, 1976, PP 340-42

[3] The central structure of the Mughal Empire, P. 312

یعنی برنی کے بیان کے مطابق علاؤالدین خلجی کے دورِ حکومت میں قاضی مسجدوں میں عدالتیں منعقد کرتے تھے مگر مغلیہ دور میں سرکاری عمارتوں میں مقدمات کے فیصلے کئے جاتے تھے اور قاضیوں کو اپنی رہائش گاہ میں عدالت منعقد کرنے سے منع کر دیا گیا۔

عالم اور دیانتدار آدمیوں کو قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔ جن قاضیوں سے بددیانتی ثابت ہو جاتی یا جانبداری سے فیصلہ کرتے۔ اُن کو برطرف کر دیا جاتا تھا جیسا کہ لین پول نے لکھا ہے:

... Alamgir on one occasion publically reprimanded a subordinate qazi and dismissed him from office for showing partiality in one of his decisions.[1]

یعنی عالمگیر نے ایک موقع پر اعلانیہ ایک نائب قاضی کو ایک مقدمہ میں جانبداری برتنے پر سرزنش کی اور اُسے نوکری سے برخاست کر دیا۔

لین پول کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر عدالتوں کے قاضیوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اگر وہ رشوت لیکر جانبداری سے فیصلہ کرتے تو انھیں نوکری سے برخاست کر دیا جاتا تھا۔ ہر دور میں ہر محکمہ میں کچھ بددیانت لوگوں کا وجود ہوتا ہے۔ اگر عالمگیر کے دور میں کچھ بددیانت قاضی تھے تو اُن قاضیوں کی وجہ سے عالمگیر کو متہم نہیں کیا جا سکتا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے ایک فرمان کے ذریعے تمام گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاں کی تمام عدالتوں کی رپورٹ بھیجیں اور مزید حکم دیا کہ گورنر اپنے طور پر قیدیوں کے مقدمات کی تحقیق کریں اور اگر ماخوذ لوگ مجرم نہ ہوں تو انھیں فوری طور پر رہا کریں اور جن مقدمات میں غیر ضروری تاخیر ہو رہی ہے اُن کا جلد فیصلہ کروائیں۔[2]

---

[1] Lane poole Stanely, Aurangzib, P. 113

[2] علی محمد خان، مرآۃ احمدی، ص ۲۸۲

سرکار کا عدالتی نظام

نظم ونسق کی سہولت کے لئے مملکت صوبوں، سرکاروں اور پرگنوں میں منقسم تھی۔ آج کل سرکار کو ضلع کہتے ہیں۔ ہر سرکار کے نظم ونسق کے لئے چار عہدیدار ہوتے تھے۔ فوجدار، کوتوال، عامل اور قاضی۔ اس کے علاوہ بخشی، صدر، صدر امین، کروڑی اور کارخانہ دار بھی مذکورہ عہدیداروں کی اعانت کرتے تھے۔[1]

فوجدار کی حیثیت مجسٹریٹ اور بلدیہ کے چیئرمین جیسی ہوتی تھی۔ سرکار میں ہونے والے جرائم کے متعلق مقدمات کی سماعت اس کے پاس ہوتی تھی۔ غیر مذہبی نوعیت کے مقدمے کوتوال کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ مذہبی وشرعی معاملات مثلاً نکاح، طلاق، وراثت اور شہری جھگڑوں کے مقدمات قاضی کی عدالت میں طے ہوتے تھے۔ محمد بشیر احمد ضلعی قاضی کے دائرہ سماعت کے متعلق رقمطراز ہے:

مغلیہ دور میں ضلعی قاضی کے اہم فرائض ناقابل تبدیل تھے۔ وہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا انچارج تھا اور اپنے ماتحت قاضیوں کے خلاف اپیلیں سنتا تھا۔[2] عدل وانصاف کا محکمہ کوتوال اور قاضی دونوں کے ذمے ہوتا تھا۔ عامل بھی ان دونوں سے تعاون کرتا تھا۔ رہزنوں، چوروں اور فسادیوں کو کوتوال کے ذریعے سزا ملتی تھی۔ کوتوال کی کچہری چبوترہ کہلاتی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنے حکام کو ہدایات جاری کی تھیں کہ وہ تمام جھگڑوں کی نگرانی کریں اور جس کا تعلق شرعی مسائل سے ہو اس کو قاضی کے پاس بھیج دیں اور اگر تنازعہ مال سے متعلق ہو تو صوبیدار کے سامنے پیش کریں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر کے دور میں ضلعی سطح پر عدلیہ کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا مظلوموں کی داد رسی کی جاتی تھی۔ ظالموں کی سرکوبی ہوتی تھی جس کی وجہ سے ملک میں امن وامان قائم تھا۔

---

1. Judicial system of Mughal Empire, PP. 214-15
2. The administration of justice in Medieval India, P. 153

پرگنہ کا عدالتی نظام

عصر رواں میں پرگنہ کو تحصیل کہا جا سکتا ہے۔ پرگنہ میں عدل و انصاف کی نگرانی قاضی کیا کرتا تھا
اُس کے سامنے ہر قسم کے جھگڑے پیش ہوتے تھے۔ ہر تحصیل (پرگنہ) میں بڑی طور پر ایک قاضی بیٹھتا تھا۔
جہاں عوام اپنے مقدمات پیش کرتے۔ ایک مفتی شرعی معاملات میں قاضی کی مدد کے لئے مقرر تھا۔[۱]
مذکورہ عدالتیں لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی تھیں جیسا کہ ابن حسن لکھتا ہے:

شہروں اور پرگنوں کی عدالتیں مقامی مقدمات کے لئے کافی تھیں۔ چونکہ مقدمات کی تعداد محدود تھی
اس لئے اس امر کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی کہ ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ ۔ ۔ کوشش کی جاتی
تھی کہ مقدمے کا فیصلہ محض اس شہادت کی بنا پر نہ کیا جائے جو عدالت میں پیش کی گئی ہے بلکہ حقیقت
معلوم کرنے کے لئے دوسری تدابیر بھی اختیار کی جائیں۔[۲]

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں انصاف کا بول بالا تھا۔ نہ صرف بڑے شہروں میں بلکہ پرگنہ اور قصبات
تک میں قاضی کی عدالتیں موجود تھیں اور لوگوں کو انصاف کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر نہ کرنا پڑتا تھا
جیسا کہ ابن حسن رقمطراز ہے:

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ قاضیوں کی تقرری دار الحکومت، صوبائی دار الحکومتوں اور بڑے شہروں
میں ہوتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ قاضی چھوٹے شہروں، قصبات اور پرگنوں میں بھی متعین تھے۔ البتہ
دیہات میں قاضی مقرر نہ تھے۔[۳] مگر ڈی۔ پی۔ سرن کے بقول دیہاتوں میں بھی قاضی مقرر کئے جاتے تھے[۴]
اس میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بڑے دیہات میں قاضی مقرر تھے مگر چھوٹے دیہات میں متعین نہ تھے۔

۱۔ مرآت احمدی بحوالہ رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۴

۲۔ ابن حسن، مغلیہ سلطنت کی ہیئت مرکزی، ترجمہ عبد الغنی نیازی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۱۰-۱۱

3. The central structure of the mughal Empire, P.315
4. The Provincial Government of the mughal (1526-1658) P.342

دیہات کا عدالتی نظام

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں دیہاتوں میں پنچایتی نظام بدستور موجود تھا اور اس وجہ سے جرائم کی تعداد بہت کم تھی۔ کئی جگہ پر پنچایت لگتی تھی اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے پنچایت ہی طے پاتے تھے دیہاتوں میں پنچایت کا یہ نظام قدیم دور سے قائم تھا۔ مسلم حکمرانوں نے اس نظام کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اسے مزید استحکام بخشا۔ گاؤں کے عدالتی نظام کے بارے میں محمد بشیر احمد رقمطراز ہے:

مغلیہ دور حکومت میں دیہاتوں میں عدل و انصاف کا پرانا روایتی نظام موجود تھا۔ دیہی کونسل (پنچایت) جھگڑوں کا فیصلہ کرتی تھی۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات میں ان کے اختیارات قدیم رواج کے مطابق تھے۔ انہی روایتی خطوط کے مطابق وہ جھگڑوں کو نبٹاتے تھے۔[1]

یہی وجہ تھی کہ زیادہ تر مقدمے ملکی عدالتوں میں نہیں جاتے تھے بلکہ پنچایت ہی زیادہ تر جھگڑوں کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ پنچایت میں عام طور پر معمولی نوعیت کے مقدمات نبٹائے جاتے تھے۔ ... چوری، ڈاکہ زنی جیسے سنگین جرائم میں پنچایت فیصلہ نہیں کرتی تھی بلکہ اس قسم کے مقدمات ملکی عدالتوں میں نبٹائے جاتے تھے۔[2]

بقول واحد حسین:

دیہاتوں میں زمیندار کی کچہری یا جاگیردار کا جلال خانہ تمام سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں یہ کچہری نہ ہوتی وہاں گاؤں کے نمبردار کا چبوترہ یا چوک لوگوں کے اکٹھے ہونے کا مقام ہوتا۔ یہاں پر دیہاتی گاؤں کے معاملات پر بحث کرتے۔ پنچایت مقدمات کا فیصلہ کرتی مگر سنگین جرائم کے خلاف سماعت مجاز عدالتیں کرتی تھیں۔[3]

---

1. The Administration of Justice in Medieval India PP. 168-69
2. Qureshi, Administration of Mughal Empire, P. 197
3. Administration of Justice during the Muslim Rule in India P. 84

باب چہارم

فصل دوم ــــــــ عالمگیر کا فوجداری نظام

(ا) فوجداری نظامِ عدل
(ب) اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ
(ج) تعزیر
(د) عدالتی امور
(ہ) قانونی اصلاحات
(و) عالمگیر کا فوجداری نظامِ عدالت
(ز) شاہی عدالت
(ح) قاضی کی عدالت
(ط) ناظم صوبہ کی عدالت
(ی) عدالت سرکار
(ک) عدالت فوجدار
(ل) دیوان المظالم

فصل دوم

عالمگیر کا فوجداری نظام

فوجداری نظامِ عدل

عدل و انصاف کا وہ نظام جس میں خلاف قانون ناجائز طور پر جسمانی اذیت اور جائیداد کے متعلقہ جرائم کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے فوجداری نظامِ عدل کہلاتا ہے۔ فوجداری مقدمات میں ضربات جسمانی، جائیداد منقولہ وغیر منقولہ پر ناجائز قبضہ، زنا، تہمت زنا، چوری، راہزنی اور شرب خمر شامل ہیں۔ ایم۔ اے۔ ظفر فوجداری مقدمات کے سلسلہ میں رقمطراز ہے

It is the maintenance of rights by punishing the wrongs[1] (generally speaking) by the physical force of the state.

یعنی عام طور پر یوں کہا جاتا ہے کہ حقوق کو قائم رکھنے کے لئے ریاست کی مادی قوت کو زیر عمل لاکر مجرموں (غلطی کے مرتکب افراد) کو سزا دینا ہے

اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ

جرم و سزا کے باہمی تعلق پر آج کل دنیا میں بڑا زور دیا جاتا ہے اور اسلامی سزاؤں کو بے رحمانہ اور ظالمانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے جرم و سزا کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے بہتر تصور آج تک کسی نظام نے پیش نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ انسان اور کائنات کے خالق نے جو سزا تجویز فرمائی اور پھر اس کی جو حکمت بیان کی ہے اس کے مقابلہ میں خود مخلوق کی تجویز کی ہوئی سزا کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ انسان کی تجویز کردہ سزائیں معبود برحق کی تجویز کردہ سزاؤں سے کبھی بہتر نہیں ہو سکتیں۔

---

[1] The pakistan penal Code, 1860, P. 1

حد کی لغوی تعریف

حد کے لغوی معنی "منع" کے ہیں کسی شئی کی انتہا کو بھی حد کہتے ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان فصل کو بھی حد کہتے ہیں۔ اُن میں ہر شئے کی انتہا اس کی حد ہے۔ دربان کو بھی حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روک دیتا ہے۔[1]

حدود اللہ اُن اشیاء کو بھی کہتے ہیں جن کی حلت و حرمت واضح ہو۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا[3]۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ ان کے قریب نہ جاؤ

شریعت اسلامیہ میں حد کی تعریف

فقہاء کے نزدیک حد کی تعریف یہ ہے:

وہ سزا جو حق اللہ میں تجاوز کرنے کی وجہ سے (خدا تعالیٰ یا شارع علیہ السلام کی جانب سے) متعین ہے۔[4] امام کاسانی نے "حد" کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شریعت میں حد اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ واجب ہو۔[5] یہی وجہ ہے کہ قصاص کو حد نہیں کہتے کیونکہ وہ بندے کا حق ہے اور تعزیر★ کو بھی حد نہیں کہتے۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے یا شارع علیہ السلام کی طرف سے مقررہ سزا نہیں ہے۔[6]

---

[1] جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ، ج ۳، ص ۱۴۰

[2] ایضاً [3] البقرہ: ۱۸۷ [4] المبسوط، ج ۹، ص ۳۶

[5] بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۳۳ [6] المبسوط، ج ۹، ص ۳۶

★ تعزیر "عزر" سے ہے اور عزر کے معنی روک دینے یا باز رکھنے کے ہیں۔ اس کے معنی توقیر کے بھی آتے ہیں۔ تعزیر کا معنی تادیب بھی ہے اسی لئے ایسی سزا کو تعزیر بھی کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب، ج ۴، ص ۵۶۲) اصطلاح شریعت میں تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جس کی سزا کی مقدار شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا انحصار اصلاح کے لئے حاکم وقت کی رائے پر ہے (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۴، ص ۶۰)

شرعی حدود

فقہاء کے نزدیک پانچ جرائم قابلِ حد ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:
۱۔ زنا ۲۔ چوری ۳۔ رہزنی ۴۔ شراب نوشی ۵۔ قذف (تہمتِ زنا)[۱]

محمد فرید وجدی نے سات جرائم کو قابلِ حد تسلیم کیا ہے۔ ان کے بارے میں اُس نے لکھا ہے:
نفس کے لحاظ سے اسلامی شریعت میں صرف سات جرائم پر شرعی حدود مقرر کی گئی ہیں اور ان کے علاوہ دیگر جرائم قاضی کی مرضی و مصلحت پر مبنی ہیں یعنی قاضی اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے سکتا ہے۔
مذکورہ پانچ جرائم کے علاوہ وجدی نے حدِ ارتداد اور حدِ بغاوت کو بھی حدود میں شمار کیا ہے۔[۲]

اسلام میں حدود کا تصور اور اسکا فلسفہ

اسلام میں حدود کا نفاذ انتقام یا بے رحمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اسلام میں سزا کا مقصد نفسِ انسانی کا تزکیہ اور معاشرے کی تطہیر ہے۔ چنانچہ اسلامی حدود کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے محمد متین ہاشمی لکھتے ہیں:
دیگر شرائع اور ملکی قوانین مثلاً رومن لاء کی طرح اسلام میں حدود و تعزیرات کو بطور انتقام جاری نہیں کیا جاتا بلکہ حدودِ شرعیہ کے نفاذ کا مقصدِ وحید نظامِ تمدن کے اختلال کو روکنا، مظلوم کی حمایت شریف اور امن پسند شہریوں میں احساس تحفظ پیدا کرنا اور سماج دشمن عناصر کے دل میں خوف پیدا کرکے انہیں ایسی حرکات سے باز رکھنا ہے۔ جن کے باعث زمین میں فساد جنم لیتا اور معاشرے کا اخلاقی معیار پست ہو جاتا ہے۔[۳]

۱۔ محمد متین ہاشمی، اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ، ص ۲۹

۲۔ دائرۃ المعارف، قرن العشرین، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۱، ج ۳، ص ۳۷۸

۳۔ اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۱۲

دراصل نفاذِ حدود کا اصلی مقصد ان باتوں سے روکنا ہے جو لوگوں کے لئے نقصان رساں ہیں اور سلطنت اسلامیہ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھنا ہے جو تباہی لاتی اور فساد پیدا کرتی ہیں مثلاً زنا کی حد سے نسب محفوظ رہتا ہے۔ شراب کی حد سے عقل کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور تہمت کی حد سے آبرو کا بچاؤ رہتا ہے اور چوری کی حد سے مال محفوظ رہتا ہے۔ اگر جرائم پیشہ لوگوں کی اصلاح کے لئے تعزیری نظام قائم نہیں کیا جاتا تو معاشرے میں بعض ناقابلِ تلافی رخنے پیدا ہو جاتے۔ زندگی کا سکون درہم برہم ہو جاتا۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ جب مجرم ذہنی لحاظ سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ اصلاح کی ہر تدبیر ناکام ہو جائے تو پھر اسے قطعی طور پر ایسی سزا دی جائے کہ وہ دوبارہ جرم نہ کرنے پائے۔ شریعتِ حقہ نے حدود جاری کرنے میں خصوصیت کے ساتھ دو مقاصد پیشِ نظر رکھے ہیں:

۱. مجرم میں سزا کا خوف پیدا کرنا تاکہ وہ دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرے

۲. مجرم کو دوسروں کے لئے سامانِ عبرت بنا دینا تاکہ دوسرے لوگ اس جرم کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدودِ شرعیہ کے فلسفہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے:

بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظامِ تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلمانوں کے معاشرے سے طمانیت اور سکونِ قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار مرتبہ ارتکاب کرنے سے اُن کی عادت پڑ جاتی ہے اور اُن سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے معاصی میں محض آخرت کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرتناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب اپنے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ساری زندگی سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر لوگ اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرنے کی جرأت نہ کریں۔

---

[1] سید محمد متین ہاشمی، اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ، ص ۱۵۱

اس کی ایک واضح مثال زنا ہے۔ زنا کا محرک صنفی خواہش کا غلبہ ہے۔ عورتوں کے حسن وجمال سے اس جذبے کو تقویت ملتی ہے اور یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے عورت کے اہل خانہ کو سخت رسوائی اٹھانی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے عورت کے فعلِ شنیع پر کشت وخون ہوجاتا ہے۔ چونکہ اکثر یہ فعل بر فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے اور اس کا محل ارتکاب عموماً کوئی پوشیدہ جگہ ہوتی ہے اس لئے اگر اس کی عبرتناک سزا نہ رکھی جاتی تو اس برائی کے پھیل جانے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی۔

حدود کے اجرا میں جسمانی تکلیف کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے اور مالی تکلیف (تاوان) کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے کیونکہ بعض لوگوں کو جسمانی تکلیف باز رکھتی ہے اور بعض لوگوں کو جسمانی تکلیف باز نہیں رکھتی اُن لوگوں کو مالی تکلیف گناہ کے ارتکاب سے ہٹاتی ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے مثلاً اگر چوری کی سزا صرف تاوان کی صورت میں ہوتی تو چوری کرنا اور نہ کرنا برابر ہوتا اس لئے چوری کے لئے سخت سزا بھی مقرر کی گئی ہے اور بعض اوقات مالی تکلیف بھی دی جاتی ہے تاکہ چور آئندہ اس فعل کا دوبارہ ارتکاب نہ کرے۔ حدود کا مقصد وحید صرف سزا دینا ہی نہیں بلکہ مجرم کو جرم کے ارتکاب سے ہٹانا ہے تاکہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکے۔[1]

یہ ہے حدود اسلام کا فلسفہ جو برائی کا قلع قمع کرنے کے اعتبار سے دوسرے ادیان ومذاہب کے مقابلے میں نہایت موثر ہے۔ اسلامی ممالک میں جب تک حدود کی شرعی سزائیں نافذ رہیں۔ یہ برائیاں نہ ہونے کے برابر تھیں آج بھی سعودی عرب کا جائزہ لیں تو وہاں یہ برائیاں شاذونادر ہی ہوتی ہیں کیونکہ عرب میں شرعی سزاؤں کا نظام نافذ ہے جس کی وجہ سے وہاں امن وامان ہے پاکستان میں بھی بڑھتی ہوئی برائیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے عدلیہ میں اسلام کے قانون کا نفاذ ضروری ہے۔ عالمگیر کے دور میں بھی ان برائیوں کا وجود کم تھا۔ کیونکہ جرم ثابت ہونے پر شرعی سزائیں دی جاتی تھیں

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۵۸ - ۱۶۶

عدالتی امور

۱۔ فوجداری مقدمہ میں اخراجات حکومت کے ذمے تھے

دورِ عالمگیری میں مظلوم کو مفت انصاف فراہم کیا جاتا تھا۔ فوجداری مقدمہ میں ملزم سے انصاف فراہم کرنے کی کوئی فیس نہ لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن حسن اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

The accused in a criminal case would be sent to the court together with all witnesses at state expenses, while in a civil case, the parties would bear their own expenses.[ع1]

یعنی فوجداری کیس میں حکومت کے اخراجات پر ملزم کو گواہوں سمیت عدالت میں بھیجا جاتا جبکہ دیوانی مقدمات میں فریقین کو بذات خود یہ اخراجات برداشت کرنے پڑتے۔

۲۔ رشوت سے فیصلہ کالعدم ہو جاتا تھا

عدل و انصاف کی راہ میں رشوت اور جانبداری بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔ عالمگیر کے دور میں ان فیصلوں کو کالعدم قرار دے دیا جاتا تھا جن میں رشوت لینا ثابت ہو جاتا تھا۔

چنانچہ محمد بشیر احمد لکھتے ہیں:

If a qadi was proved to have taken a bribe and thus became an interested party, his judgement would be null and void.[ع2]

ع1 The Central structure of the Mughal Empire, P. 320

ع2 Judicial system of Mughal Empire, P. 79

۳۔ قانونی جواز کے بغیر قید و بند کی ممانعت

عالمگیر کے دور میں کسی کو بلا جواز قید و بند میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ عالمگیر نے ۱۶۷۰ء میں ایک فرمان جاری کیا جس میں قاضیوں کو جیلوں کا معائنہ کرنے کا اختیار دیا اور ایسے قیدیوں کو رہا کرنے کا اختیار دیا جو بلا جواز قید کئے گئے تھے۔[1] عالمگیر نے یہ لازم قرار دیا تھا کہ گرفتاری سے قبل واضح شہادت مہیا کی جائے۔[2] ایک شقدار (پولیس افسر) کو ناجائز قید پر دو سو روپے جرمانہ کیا گیا۔[3]

ایک فرمان کے ذریعے تمام گورنروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ہاں کی تمام عدالتوں کے مقدمات کی روئیداد بھیجیں اور گورنر اپنے طور پر تحقیق کریں اور اگر ماخوذ قیدی مجرم نہ ہوں تو انھیں فوری طور پر رہا کریں اور جن مقدمات میں غیر ضروری تاخیر ہو رہی ہے ان کا جلد فیصلہ کروائیں۔[4]

۴۔ سزائے موت کی توثیق

عالمگیر کے دور میں سزائے موت کی توثیق بادشاہ یا گورنر کرتا تھا۔ موت کی سزا دینے میں عالمگیر بڑا محتاط تھا۔ اسے انسانی زندگی کی قدر و قیمت اس قدر عزیز تھی کہ کوئی قاضی کسی بھی مجرم کو اس وقت تک پھانسی نہ دے سکتا یا قتل نہ کر سکتا جب تک بادشاہ سے تین بار اس کی منظوری نہ لے لیتا۔ قتلِ انسانی بادشاہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا۔ وہ خود بھی انسانی قتل سے حد درجہ پرہیز کرتا۔[5]

بقول منوچی برصغیر کے موجودہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن ججوں کی طرح عالمگیر کے دور میں قاضی ہر نوعیت کا فوجداری مقدمہ سن کر سزا سنا سکتے تھے مگر سزائے موت کے لئے بادشاہ یا گورنر کی توثیق ضروری تھی۔[6]

---

1. Judicial system of Mughal Empire, P. 98
2. Ibid P. 97
3. Manrique, Travels of Fray sebastion, oxford Hakluyt society, 1927 PP. 425-26
4. مرآت احمدی بتصحیح نواب علی خان بروڈہ انڈیا، ص ۲۸۲
5. رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۶
6. storia do Mogor tr. by W. Irvine, Vol. III, P. 264

قانونی اصلاحات

۱۔ ریمانڈ کا اجراء

عالمگیر نے پولیس کی زیرِ حراست ملزم کے لئے عدالت کی طرف سے ریمانڈ (Remand)★ لینے کا طریقہ جاری کیا۔[۱] اس سلسلہ میں محمد بشیر احمد سے منقول ہے:

کوتوالوں کو حکم دیا جاتا تاکہ وہ قاضی سے ملزم کو زیرِ حراست رکھنے کا تحریری حکم حاصل کریں۔[۲]

۲۔ حصولِ انصاف میں غیر ضروری تاخیر کا سدباب

اسلامی عدل کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ انصاف مہیا کرنے میں غیر ضروری تاخیر نہیں کی جاتی۔ اس سلسلہ میں صاحبِ مرآت بیان کرتے ہیں:

عالمگیر نے دیکھا کہ کچھ عدالتوں میں بڑی تاخیر سے مقدمات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس نے تاخیر کے اسباب دور کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اس نے ہدایات جاری کیں کہ تمام فوجداری مقدمات کو بلا تاخیر نبٹایا جائے۔ کسی کو بھی واضح قانونی ثبوت کے بغیر قید نہ کیا جائے۔[۳] عالمگیر مقدمات کے التوا کو ناپسند کرتے تھے۔ اگر مقدمہ کی پہلی پیشی میں فیصلہ نہ ہوجاتا تو کوتوال کے لئے ضروری تھا کہ وہ زیرِ بحث قیدیوں کو روزانہ عدالت میں پیش کرے حتیٰ کہ مقدمے کا فیصلہ ہوجائے۔[۴]

۱۔ محمد علی خان، مرآۃ احمدی، ج ۱، ص ۲۷۸-۷۹

2. Judicial system of Mughal Empire, P. 273

۳۔ محمد علی خان، مرآۃ احمدی، ج ۱، ص ۲۷۸

4. Muhammad Akbar, Administration of Justice by the mughals P. 48

★ Remand: قیدی کو مزید تحقیق کے لئے عدالت کی جانب سے پولیس کی زیرِ حراست رکھنا۔
(Concise Oxford Dictionary, Oxford University Press, 1964, P. 1049)

۳۔ قانونِ عامہ کی تدوین

عالمگیر نے ہر قابلِ فہم موضوع پر تحریری ضابطے مرتب کروائے اور قاضیوں کو اس کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم دیا۔ اس کے متعلق جے۔ این۔ سرکار لکھتا ہے :

Apart from the Fatawa-i-Alamgiri or disgested code of Islamic case-law, which Aurangzib caused to be compiled by a Syndicate of theoligions under sheikh Nizam, He issued a farman★ to the Diwan of Gujrat on 16th June, 1672, which gives his Penal Code in a short compass.[۱]

یعنی فتاویٰ عالمگیری ، جو اورنگ زیب عالمگیر نے شیخ نظام کی زیرِ صدارت ممتاز علماء کی ایک مجلس خصوصی سے مرتب کروایا ، کے علاوہ اُس نے ۱۶ جون ۱۶۷۲ کو گجرات کے دیوان کے نام ایک فرمان جاری کیا جس میں مختصراً تعزیری قوانین کے ضابطے بیان کر دیئے گئے۔

اس فرمان کے صادر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ گجرات کے مقامی مقدمات کے فیصلوں میں دیر کرتے ہیں اور ملزمان تا فیصلہ ایک طویل وقت تک حوالات میں پڑے رہتے ہیں یہ تعزیری قوانین تاخیر کو ختم کرنے کے لئے بنائے گئے اور نافذ کئے گئے۔ ان میں مختلف جرائم پر تعزیرات مقرر کر دی گئیں اور تاکید کی گئی کہ مقدمات کے فیصلوں میں کسی صورت میں کوئی تاخیر نہ ہو تاکہ تقاضائے انصاف جلد از جلد پورا ہو۔

---

[۱] J.N. Sarkar, Mughal Administration, M.C. Sarkar and Sons Calcutta, 1924, P.122

★ اس فرمان میں چوری ، مردہ چور ، رہزنی ، ٹھگی ، حکومت کے خلاف سازش اور بغاوت ، کھوٹے سکے بنانے اور چلانے والے ، زہر خورانی ، اغوا ، جوا بازی ، مسکرات اور حرام کاری کی نیت وغیرہ کی تعزیرات تفصیل سے بیان کر دی گئیں ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔

(البصیر ، عالمگیر نمبر ، اسلامیہ کالج چنیوٹ ، ج لہ ش ۱ ، مئی ۱۹۶۲ ، ص ۱۳۰-۳۴ ، مغل ایڈمنسٹریشن ص ۱۲۲-۲۹)

عالمگیر کا فوجداری نظامِ عدالت

مرکز میں عالمگیر کے فوجداری نظامِ عدالت میں شاہی عدالت اور قاضیوں کی عدالتیں تھیں جبکہ صوبے میں ناظم صوبہ کی عدالت، قاضی کی عدالت اور فوجدار کی عدالت اور عدالت سرکار فوجداری مقدمات کی سماعت کرتی تھیں۔ مرکز اور صوبوں میں مظالم کی سماعت کے لئے ایک اور عدالت تھی جس کا نام دیوان المظالم تھا★۔ ان عدالتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ شاہی عدالت

شاہی عدالت میں دو طرح کے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی:۔

۱۔ ابتدائی مقدمات ۲۔ مرافعہ (اپیل)

ابتدائی مقدمات

مشہور سیاح منوچی جو کہ شاہی عدالت کا عینی شاہد ہے، عالمگیر کے انصاف کے بارے رقمطراز ہے:

"بادشاہ دربار خاص وعام عوامی اجتماع منعقد کرتا۔ یہاں پر مظلوم لوگ اپنی اپنی شکایات پیش کرتے۔ کچھ قاتلوں کو سزا دینے کا مطالبہ کرتے جبکہ دوسرے ناانصافی، تشدد اور دیگر برے کاموں کی شکایت کرتے۔ بادشاہ غصے سے مختصر الفاظ میں حکم دیتا کہ چوروں کو قتل کیا جائے۔ گورنر اور فوجدار لٹے ہوئے مسافروں کے نقصان کی تلافی کریں۔ کچھ مقدمات میں وہ اعلان کرتا کہ ظالم کے لئے کوئی معافی نہیں

★ دیوان المظالم اور فوجداری عدالت میں فرق یہ تھا کہ فوجداری عدالت اس وقت تک مقدمے کی سماعت نہ کرتی تھی جب تک کہ مدعی عدالت میں مقدمہ دائر نہ کرواتا تھا مگر دیوان المظالم کا ناظر از خود ظلم کے خلاف مقدمہ کی سماعت کا اختیار رکھتا تھا جس طرح پاکستان میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج از خود نوٹس لیکر مقدمے کی سماعت شروع کر سکتے ہیں۔ (راقم الحروف)

کچھ دیگر مقدمات میں وہ حکم دیتا کہ حقائق تلاش کرکے رپورٹ پیش کی جائے۔[1]

★
شاہی عدالت میں ابتدائی مقدمات پیش کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ بادشاہ جھروکہ میں بیٹھتا۔ جہاں لوگ بادشاہ کا دیدار کرنے کے علاوہ اپنی عرضداشتیں بلا روک ٹوک پیش کرتے تھے۔ بقول ڈی۔لیٹ

King looks down into this everyday when the sun rises and himself greets the sun. On each of these occasions audience is given to anyone bringing a written petition.[2]

یعنی جب سورج نکلتا تھا تو بادشاہ ہر روز (جھروکہ) سے نیچے جھانکتا اور سورج کو خوش آمدید کہتا اس موقع پر ہر ایک کو تحریری عرضداشت پیش کرنے کی اجازت تھی۔

اگر بادشاہ تفریح، مہم یا صوبوں کے دوروں کے سلسلہ میں دار الحکومت سے باہر جاتا تو وہاں بھی مظلوموں کی داد رسی کے لئے شاہی عدالت لگائی جاتی۔ اس مقصد کے لئے مغل بادشاہوں نے کشمیر، اجمیر احمد آباد اور لاہور کے علاوہ کئی شہروں میں انتظامات کئے تھے۔[3]

غرض کہ بادشاہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کو اس درجہ عزیز رکھتا کہ غیر مسلموں کو بھی اس خصوصیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک سیاح اونگٹن نے اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوستان کی سیاحت کی۔ یہ بادشاہ عالمگیر کے انصاف کا ذکر کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے ہاں بکری اور شیر ایک گھاٹ پانی پیتے۔ اس کے ہاں ایک کمزور سے کمزور کی آواز اس طرح پہنچ سکتی ہے جس طرح ایک بڑے امیر کی آواز۔[4]

---

1. storia do mogor, Vol. II PP. 461-62
2. De Leate, The Empire of great Mogol, Bombay, 1928, Vol. 1 PP. 92-93
3. ابن حسن، مغلیہ سلطنت کی ہیئت مرکزی، ترجمہ عبدالغنی نیازی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸، ص ۲۷۴
4. storia do mogor Vol. II PP. 419-21

★ جھروکہ درشن کا آغاز اکبر نے کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اسے گیارھویں سن جلوس میں ختم کردیا (خافی خان، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۱۹۶)

عدالت مرافعہ (کورٹ برائے اپیل)

شاہی عدالت کی دوسری حیثیت عدالتِ مرافعہ کی تھی۔ ماتحت عدالتوں سے اوپر کی عدالتوں میں مقدمہ لے جانے کی آسانی موجود تھی اور پھر بادشاہ وقت تک رسائی آسان تھی۔ شاہی عدالت میں بطور مرافعہ دیوانی قسم کے وہ مقدمات پیش ہوتے جو پیچیدہ، غیر معمولی نوعیت کے اور بہت زیادہ مالیت کے ہوتے جبکہ فوجداری مرافعات کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوتی اسی لئے فوجداری مقدمات کی تعداد زیادہ ہوتی تھی جیسا کہ ابن حسن سے منقول ہے:

The king tried both civil and criminal cases and he acted both as a court of first instance and a court of appeal. The cases on record scattered in the choronicles of the period show that the king recieved before him more criminal cases than civil.[1]

شاہی عدالت بطور مرافعہ ہفتہ میں ایک روز لگائی جاتی اس عدالت کے لئے اکبر نے جمعرات، جہانگیر نے منگل، شاہ جہاں اور عالمگیر نے بدھ کا دن مقرر کیا تھا[2]۔ اس عدالت کے متعلق حمید اللہ نے لکھا ہے:

بادشاہ دیوانِ خاص میں مقدمات کی سماعت کرتا۔ شاہی عدالت مرافعہ اپیل کی آخری عدالت تھی۔ اس عدالت کی صدارت بادشاہ خود کرتا جبکہ اس کے ساتھ قاضی، مفتی، عادل، داروغہ عدالت اور کوتوال بھی موجود ہوتے[3]۔ محمد بشیر احمد نے محتسب کی موجودگی کا بھی ذکر کیا ہے[4]۔

---

1. The Central structure of the Mughal Empire, P.319
2. U.N. Day, The Mughal Governament (1556-1707) Munshiram Monohar Lal, 1969, P.220
3. Administration of justice in Islam, P.69
4. Judicial System of Mughal Empire, P.143

فوجداری مقدمات

عالمگیر نے جو کچھ کہا اس پر عمل کیا۔ اگر اس کے بیٹوں سے بھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ اپنے کئے کی سزا پاتا۔ اس کا موقف یہ تھا کہ اگر ایک ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی تو تمام ضابطے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اس کی نظر میں ایک عام آدمی اور شاہی خاندان کے سب افراد قانون کی نظر میں برابر تھے اُن سب کے لئے انصاف کے تقاضے یکساں تھے۔ اس انصاف کی جھلک مندرجہ ذیل مقدمات سے واضح ہوتی ہے:-

شہزادہ کی گرفتاری اور قید

خافی خان نے ایک مقدمہ کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ھدّو نامی جو شہزادہ کام بخش کا کوکہ★ تھا۔ اس نے دو شاخہ تیر چلا کر محرم خاں کو زخمی کر دیا جب اس پر مقدمہ چلا تو کام بخش نے اس دودھ شریک بھائی کی ناجائز حمایت کی۔ بادشاہ نے کوکہ کے ساتھ شہزادہ کو بھی قید کرنے کا حکم دے دیا اور اسے منصب سے بھی معزول کر دیا گیا۔ جاگیر اور سارے کارخانے ضبط کر لئے۔ آخر صحبت بد کی وجہ سے شہزادہ کا یہ حشر ہوا[1]

ایک قتل کا فیصلہ

عالمگیر کے ایک داماد نے ایک غریب کو ناحق قتل کر دیا۔ بادشاہ نے مقدمہ عدالت میں بھیج دیا۔ عدالت نے مقتول کے ورثاء کو دو سو اونٹ بطور فدیہ لینے پر آمادہ کر لیا۔ جب یہ فیصلہ منظوری کے لئے عالمگیر کے پاس پہنچا تو اس نے لکھا کہ اس کو سزا دینا افضل ہوگا۔ چنانچہ اس ظالم کو سرِ بازار تختہ دار پر لٹکایا گیا۔[2]

---

[1] خافی خان، منتخب اللباب، ص ۳۵۔۳۶

[2] محمد حسن، مرأۃ احمدی، ترجمہ رضی الحق، علمی پریس بمبئی ۱۳۲۸ھ، ص ۳۳

★ کوکہ بذیل مادہ "کوکی" ترکی لفظ ہے جس کا معنی دودھ شریک بھائی ہے۔
(فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات جامع، نیا ایڈیشن، فیروز سنز لاہور، ص ۱۰۴۴۔۴۵)

ایک خونِ ناحق کا فیصلہ

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک فوجدار فرجام برلاس نے اپنی دختر کی نسبت اپنے ہمشیرزادہ سے کی لیکن بہن کی بدمزاجی اور زبان درازی کی وجہ سے اس نسبت کو ترک کر دیا۔ اس زمانہ میں فرجام برلاس اٹک کی فوجداری سے معزول ہو کر حضور میں حاضر ہوا۔ فرجام کی بہن نے اپنے فرزند کو اس امر کی ترغیب دی کہ فرجام کو دربار خاص و عام میں بادشاہ کے حضور قتل کرے ورنہ وہ اس کو دودھ نہ بخشے گی۔

عورت نے اپنا برقعہ اس کے چہرہ پر ڈال کر کہا کہ یا تو میرے حکم کی تعمیل کرو۔ ورنہ اس کو پہن کر گھر میں عورتوں کی طرح بیٹھو۔ لڑکے نے ناچار ماں کے حکم کی تعمیل پر کمر ہمت باندھی اور جلوس شاہی پر شخص کسی نہ کسی طرح فرجام کے قریب گیا اور ایک کاری زخم سے اس بوڑھے اور باتوقیر شخص کو خاک وخون میں ملا دیا۔ مجرم نے فرار ہونے کا ارادہ کیا لیکن ظاہر ہے کہ خون ناحق اپنا رنگ دکھاتا ہے اور موت قاتل کو بھی مقتول کے پاس سلاتی ہے۔ یہ شخص گرفتاری کے بعد قیدخانہ میں بھیج دیا گیا۔

بعد رجوع بمحکمہ شرعیہ و حکم قاضی چہارم ذی الحجہ بحضور ورثان کہ زن آں مقتول و دخترش کہ ہیچ علیقلی برلاس بود باوجود درخواست بادشاہ کہ از سر خون قاتل درگزرند و آنها اصلا توفیق نیافتند بر سر حوض جلوخانہ پیش خاص و عام بقصاص رسید و جسدش را بمادر او کہ بر درقلعہ رتھ سوار استادہ بود، حوالہ کردند۔[1]

یعنی چوتھی ذی الحجہ کو محکمہ قضا میں مقدمہ پیش ہوا۔ مقتول کے وارث یعنی اس کی زوجہ اور اس کی دختر زوجہ علی قلی برلاس عدالت میں حاضر تھیں۔ جہاں پناہ نے ورثاء مقتول سے درخواست کی کہ قاتل کو خون معاف کر دیں لیکن ان کو عفو تقصیر کی توفیق نہ ہوئی اور نوجوان قاتل بھی حوضِ جلوخانہ پر خاص و عام کے روبرو قتل کر دیا گیا۔ مقتول کی لاش اس کی ماں کے حوالے کر دی گئی جو قلعہ کے دروازے پر رتھ پر سوار تھی۔

---

[1] خافی خان، منتخب اللباب، ص ۵۵۰ - ۵۱

۲۔ قاضی کی عدالت

اورنگ زیب کے دور میں مرکز اور صوبوں میں قاضی فوجداری مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں؛

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں قاضی دیوانی مقدمات کے ساتھ ساتھ فوجداری مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔[1] قاضی حدود کے مقدمات کا بھی فیصلہ کرتا۔ جب چوری کا الزام قانونی شہادتوں کے ذریعہ کسی کے خلاف ثابت ہو جاتا یا ملزم خود چوری کا اقرار کر لیتا اور اس کے جرم کے بارے میں قاضی کو پوری تسلی ہو جاتی تو قاضی کی موجودگی میں چور کو سزا دی جاتی اور مجرم کو قید میں رکھا جاتا حتٰی کہ وہ اپنے جرم سے توبہ کرتا۔[2]

عالمگیر کے دور میں شہادت لینے کے مختلف طریقے تھے۔ عدالت میں گواہ پیش کئے جاتے یا تحریری ثبوت مہیا کئے جاتے جسمانی اذیت کے ذریعے بھی جرم کا اقرار کروایا جاتا۔ گواہ مسلمان ہوتا تو اس کو قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر شہادت دینی ہوتی۔ اگر عیسائی ہوتا تو انجیل پر اور ھندو ہونے کی صورت میں گائے پر ہاتھ رکھ کر شہادت دیتا۔ محکمہ انصاف کے عہدہ داران کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ شہادتوں اور حلفیہ بیانات پر کلی اعتماد نہ کریں بلکہ اپنی عقل و فہم سے بھی کام لیں اور اگر ان کے خیال میں صحیح صورت حال معلوم کرنے کا کوئی اور مناسب ذریعہ ہو تو اس کو بھی عمل میں لائیں۔

عام عدالتوں میں فوجداری مقدمات میں ملزم کو حق مرافعہ حاصل ہونے کے علاوہ قاضی کو یہ اختیار تھا کہ فوجداری مقدمات کی سماعت خود کرے یا دوران سماعت جس مرحلے پر چاہے اسے شاہی عدالت میں بھیج دے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہان مغلیہ نے سزا دینے کے وسیع اختیارات عدلیہ یا عاملہ کو تفویض

---

1. The Administration of The Mughal Empire, P.188
2. Wahed Hussain, The Administration of Justice during The Muslim Rule in India, PP.55-56

نہیں کئے گئے ۔ قانون یہ تھا کہ سزائے موت کے لئے ہر صورت میں بادشاہ سے منظوری لینا ضروری تھا۔
یہ پابندی اگرچہ اکبر نے لگائی تھی لیکن بعد کے بادشاہ بھی اس پر عمل کرتے رہے ۔[۱]

لاہور کے قاضی کا قتل اور شرعی فیصلہ

عالمگیر کے زمانہ میں قاضیوں کا بڑا اثر و رسوخ ہو گیا تھا۔ امور شرعی کے نفاذ میں ان کو کافی اختیارات مل گئے تھے ۔ ۱۰۸۹ ھ میں لاہور کا قاضی پورب (مشرق) کا ایک شخص علی اکبر نامی تھا۔ وہ صوبہ داروں سے خود کو کم نہیں سمجھتا تھا۔ قوام الدین صوبہ دار لاہور اور قاضی علی اکبر میں ان بن ہو گئی اور دونوں نے ایک دوسرے کی شکایت دربار شاہی میں لکھ بھیجی ۔ دربار سے جواب آنے سے پہلے ہی صوبہ دار نے کوتوال شہر نظام الدین کے ذریعے حملہ کروا کر قاضی علی اکبر، اس کے بھانجے اور دیگر چند ہمراہیوں کو قتل کروا دیا عالمگیر کو جب اس واقعہ کی تفصیلات ملیں تو بادشاہ نے قوام الدین خاں کو صوبیداری سے معزول کر دیا اور حفیظ اللہ خاں کو سارے واقعات کی تحقیق اور شرعی سزا کے نفاذ کے لئے لاہور بھیجا۔ حفیظ اللہ خاں نے سارے معاملہ کی تحقیق کروائی اور حکم شرع کے مطابق نظام الدین کوتوال کو مقتول قاضی کے وارثوں کے حوالے کر دیا جس کو انہوں نے قصاص میں قتل کر دیا ۔ سابقہ گورنر قوام الدین خاں پر قاضی شیخ الاسلام کی عدالت میں مقدمہ چلا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران قوام الدین خاں کا موعودہ وقت آ پہنچا۔ ذہنی اور روحانی اذیت کے ساتھ ساتھ وہ جسمانی مرض میں بھی مبتلا ہو گیا ۔ اس حالتِ مرض میں بھی لوگ اسے قاضی کے پاس مقدمہ کی تاریخ کے دوران لاتے رہے ۔ یہاں تک کہ قدرت نے خود اس کا فیصلہ کر دیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔[۲]

---

[۱] Muhammad Ullah, Administration of justice in Islam, P. 65

[۲] خافی خان، منتخب اللباب، ص ۲۵۶ - ۵۸

۳۔ ناظمِ صوبہ کی عدالت

ناظم صوبہ کا بڑا مقصد صوبے میں نظم و نسق قائم کرنا تھا۔ اُس کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ آیا عدالتوں میں لوگوں کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے یا نہیں۔ صوبے میں اُس کی عدالت انصاف کی اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ اِس عدالت میں وہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔[1] ابن حسن صوبیدار کے اختیاراتِ سماعت کے بارے میں رقمطراز ہے:

گورنر اپنے صوبہ میں فوجداری مقدمات کی نگرانی کا حق رکھتا تھا وہ بذات خود بھی فوجداری مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ ضلع کے فوجدار اُس کی عدالت میں گرفتار شدہ ملزموں کو پیش کرتے تھے الزامات کی نوعیت کی تحقیق اُس کی ذمہ داری تھی۔ شرعی قسم کے مقدمات کو وہ قاضی کے پاس بھیج دیتا سیاسی قسم کے مقدمات کو وہ خود سنتا اور مالی قسم کے مقدمات کو وہ دیوان کے پاس بھیج دیتا۔[2]

گورنر کو اِس بات کی بھی ہدایت ہوتی تھی کہ وہ مہینہ میں ایک دفعہ جیلوں کا معائنہ کرے اور قیدیوں کے حالات ملاحظہ کرے۔ اسے بے گناہ قیدیوں کو رہا کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔ زیرِ حفاظت ملزموں کے جو مقدمات معلق ہوتے تھے اُن کے متعلق گورنر قاضیوں کو بلا تاخیر مقدمات نبٹانے کی ہدایت کرتا[3] صوبیدار فوجداری مقدمات کے خلاف اپیلیں سننے کا مجاز تھا۔[4] اِس کی عدالت میں عدالتِ سرکار اور عدالتِ فوجدار کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں کی جاتیں۔ اِس عدالت کا سربراہ ناظم صوبہ ہوتا۔[5]

---

[1] Judicial system of Mughal Empire, P. 225

[2] The Central structure of the Mughal Empire, P. 327

[3] Ibid

[4] Wahed Hussain, The Administration of justice during the Muslim Rule in India, P. 82

[5] U.N. Day, The Mughal Government, PP. 207-08

غرض کہ فوجداری مقدمات میں صوبیدار بادشاہ کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

اسی بات کو ابن حسن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

Thus like the king at the capital, the Governor as his Naib exercised general supervision over the administration of criminal justice in the province.[1]

۴۔ عدالتِ سرکار

سرکار سے مراد ضلع جو کئی پرگنوں (تحصیلوں) پر مشتمل ہوتا تھا۔ قاضی سرکار کی عدالت میں سول اور فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی۔ پرگنوں کی اپیلیں بھی اسی عدالت میں ہوتیں۔ اس عدالت میں قاضی کے ساتھ میر عدل، مفتی، پنڈت، محتسب اور شرعی وکیل معاونت کرتے[2]

۵۔ عدالتِ فوجدار

عالمگیر سے قبل مغلیہ دور میں اگرچہ فوجدار سرکار کی انتظامیہ کا اعلیٰ عہدہ دار ہوتا مگر وہ مقدمات کی سماعت کا اختیار نہ رکھتا تھا۔ ڈی۔پی۔سران کے مطابق اٹھارھویں صدی (دورِ عالمگیر) میں اس کو تمام مقدمات بشمول دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کا اختیار دے دیا گیا۔[3] اس کی معاونت کے لئے قاضی، مفتی اور میر عدل ہوتے تھے[4]۔

فوجدار کو دورِ حاضر میں ڈسٹرکٹ جج کے مساوی قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

1. The central structure of the Mughal Empire, P. 328
2. U.N. Day, The Mughal Government, P. 206
3. Ibid, P. 205
4. Zameer-U-Din siddique, The Institution of Qazi under The Mughal, Medieval India, Vol. 1, P. 258

دیوان المظالم

دیوان المظالم سے مراد وہ ادارہ ہے جو ظالم کو جبراً عدالت میں پیش کر کے مظلوم کو انصاف

مہیا کرے۔ الماوردی (م ۴۵۰ھ) نے الاحکام السلطانیہ میں دیوان المظالم کی یہ تعریف کی ہے:

نظر المظالم ھو قود المتظالمین الی التناصف بالرھبۃ وزجر المتنازعین عن التجاحد بالھیبۃ[1]

یعنی ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں ظلم و تعدی کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً اور دبدبے کے ساتھ انصاف کے لئے پیش کیا جائے اور فریقین کو حکومت کے دبدبے کے ذریعہ انکار سے باز رکھ کر زجر و توبیخ کی جائے۔ ابن خلدون (م ۸۰۳ھ) نے دیوان المظالم کے متعلق لکھا ہے:

ھی وظیفۃ ممتزجۃ من سطوۃ السلطنۃ ونصفۃ القضاء وتحتاج الی علو ید وعظیم رھبۃ تقمع الظالم من الخصمین وتزجر المتعدی[2]

یعنی یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ایک حیثیت سے بادشاہ کے اختیارات میں داخل ہے اور ایک حیثیت سے قاضی کی ذمہ داریوں میں شامل اور یہ ادارہ زبردست طاقت چاہتا ہے تاکہ ظالم کو ڈانٹ کر، جھڑک کر یا سزا دیکر اس کی سرکشی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

دیوان المظالم سے مراد وہ ادارہ ہے جو سرکاری گماشتوں کے خلاف لوگوں کی شکایات پر غور کرنے کے لئے بنایا جائے۔[3]

۱۔ الماوردی: ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ، ص ۷۳

۲۔ ابن خلدون، مقدمہ، باب سوم فصل ۳۱، ص ۱۸۱

۳۔ اے۔ اے۔ دوری "دیوان" دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۸، ج ۹، ص ۶۱۲

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ادارہ جو ظالم کو دبائے اور مظلوم کو اس کا حق دلائے ظالم کا تعلق عوام سے ہو یا سرکاری ملازمین سے ہو اور وہ کسی بھی حیثیت کا مالک ہو۔ یہ ادارہ دیوان المظالم کہلاتا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ کو "ناظر المظالم" کہا جاتا ہے۔

مظالم سے مراد ایک انسان کا دوسرے انسان کو جسمانی تکلیف دینا، دوسرے کے مال کو غصب کرنا دوسرے کے حقوق کی عدم ادائیگی اور ادائیگی حقوق میں تاخیر یا رکاوٹ ڈالنا ہے

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں دیوانِ مظالم کے ذریعہ لوگوں پر ہونے والے مظالم کا سدِّباب کیا جاتا تھا۔ عالمگیر سے قبل اس محکمہ کا نام "الدیوان النظر فی المظالم" تھا مگر عالمگیر نے اس کا نام دیوانِ مظالم رکھا۔ عدل و انصاف مہیا کرنے کی یہ اعلیٰ عدالت براہ راست بادشاہ کی زیر نگرانی تھی۔ بقول واحد حسین:

He (Aurangzib) preferred to call it "Diwan-i-Mazalim" although its real name was "Ad-diwan-un-nazr fil Mazalim" during the time of Aurangzib. This diwan became the highest court of justice presided over the emperor himself.[1]

اس عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ادارہ قضا کے پہلو بہ پہلو ایک اور عدالتی نظام دیوانِ مظالم کے نام سے موجود رہا ہے۔ واحد حسین دیوانِ مظالم کے بارے رقمطراز ہے:

ظلم و زیادتی کی تحقیق کے لئے ایک بورڈ کام کرتا تھا۔ اس ادارے کی اپنی تاریخ ہے۔ حقیقت میں یہ اعلیٰ فوجداری عدالت تھی۔ یہ ادارہ انتظامی اور عدالتی محکموں میں ہونے

---

1. Administration of Justice during the Muslim Rule in India P.72

والی زیادتیوں کے خلاف مقدمات کو نپٹاتا تھا۔[1]

دیوان مظالم کی تشریح کرتے ہوئے رشید اختر ندوی لکھتا ہے:

عدالتوں کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر نے ایک دیوانِ مظالم بھی قائم کیا جس کا یہ کام تھا کہ وہ مظالم اور مقدمات کی پیشیاں سنے۔ قاضی اور دیوانِ مظالم کے حکام عالمگیر کی طرف سے اس بات کے پابند تھے کہ عوام کی تمام شکایات سے عالمگیر کو آگاہ کریں۔ کسی قسم کا تساہل یا غفلت نہ برتیں۔[2] جب کبھی اورنگ زیب عالمگیر کو خبر ملی کہ اس کے کسی کارندے نے رعایا کے افراد پر زیادتی کی، وہ نہ صرف اس کی تلافی کرتا بلکہ سرکاری حکام کو سزائیں بھی دیتا تھا جیسا کہ خواجہ عبداللہ قاضی القضاۃ نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ احمد آباد کی عدالت کے چپراسی راہ گیروں سے زبردستی روپیہ وصول کرتے ہیں۔ بادشاہ نے دیوان کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو کڑی سزا دی جائے۔[3]

محمد اکبر نے دیوانِ مظالم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

--- A court in which oppressed people could get their wrongs redressed. This shows Aurangzib's anxiety to dispense ever handed justice to all his subjects without any consideration of birth or rank.[4]

یعنی وہ عدالت جس میں مظلوم لوگوں پر کی جانے والی زیادتیوں کی تلافی کی جاتی تھی

۱۔ Ibid, PP. 71-72

۲۔ محمد ساقی، ماثر عالمگیری بحوالہ رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۴-۹۵

۳۔ علی محمد خاں، مرآۃ احمدی بحوالہ رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۵

4. Administration of Justice by the Mughals, Kashmiri Bazar, Lahore, 1948, P. 48

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر اس بات کا کس قدر متمنی تھا کہ بلاتفریق نسل وعہدہ اُس کی رعایا کے درمیان عدل وانصاف کیا جائے۔

اشتیاق حسین قریشی نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس عدالت میں قاضی عسکر، فقہاء اور دوسرے ماہرین قانون بھی شرکت کرتے تھے۔ [۱]

سفر میں بھی عالمگیر مظلوموں کی دادرسی کرتا۔ ساقی خان نے دادرسی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے:
ایک بار اورنگ زیب عالمگیر حسن ابدال کے دورے پر گئے۔ وہ جس باغ میں ٹھہرے تھے اس کی دیوار کے قریب ایک ضعیف بڑھیا رہتی تھی جس کا ذریعہ معاش پن چکی تھا۔ یہ پن چکی اس پانی پر چلتی تھی۔ جو باغ سے نکل کر باہر نالے میں گرتا تھا۔ چونکہ یہ مقام محکمہ نظاوت کی زیر نگرانی تھا اس لئے اس سر رشتہ کے ملازمین نے پانی کی گزرگاہ بند کردی جس کی وجہ سے اس بڑھیا کی پن چکی بھی بند ہوگئی۔ بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے بختاور خان کو حکم دیا کہ پانی کی گزرگاہ کو کھول دیا جائے اور کوئی بھی شخص اس ضعیفہ کی روزی میں رکاوٹ نہ بنے۔ علاوہ ازیں بادشاہ نے بڑھیا کو نقد وزیور اور طرح طرح کی پوشاکیں عطاکیں۔ ناظر کو حکم دیا کہ معافی محصول و دیگر مزاحمت کی ممانعت کے اسناد دفترِ معلّٰی سے لکھ کر بڑھیا کے پاس روانہ کرے۔ ایک حاذق حکیم کو بڑھیا کی آنکھوں کا علاج کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

اس ظلم کے انسداد اور حسنِ سلوک کے اثرات بیان کرتے ہوئے مستعد خاں نے لکھا ہے کہ اس کے چہرے کی جھریاں مٹ گئیں اور بے رونق چہرے پر پھر جوانی کی آب و تاب آگئی۔ بے نور آنکھوں میں بصارت عود کر آئی اور جسم کے تمام اعضاء میں قوت و چستی پیدا ہوگئی۔ [۲]

۱؎ The Administration of the Mughal Empire, p.193

۲؎ محمد ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری، ص ۱۳۳ - ۱۳۵

باب پنجم

(ا) خلاصۃ البحث

(ب) اورنگزیب کے عدل اور نظام عدل کا تنقیدی جائزہ

(ج) سفارشات

باب پنجم

خلاصۃ البحث

عدل نہ صرف معاشرتی زندگی کی روح ہے بلکہ ساری کائنات کی درستگی کا انحصار عدل پر ہے۔

عدل ایک درمیانی راستہ ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہوتا ہے۔ معاشرے میں امن و امان اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب حکام لوگوں کے درمیان ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہو کر بے لاگ فیصلے کریں اور مستحقین کو بلا کم و کاست حقوق دلوائیں۔ مجرم کو قرار واقعی سزا دیں۔ لیکن شبہات میں حکام کو سزائیں دینی چاہیے۔ معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے کیونکہ غلطی سے سزا دینا ظلم میں اضافہ کے مترادف ہے اور اسلام میں کسی پر ظلم کرنا حرام ہے

قرآن مجید نے توحید کے اثبات کے بعد عدل و انصاف کے قیام کی بڑی تاکید کی ہے کیونکہ عدل کے بغیر کائنات کا نظام رواں دواں نہیں رہ سکتا۔ قرآن و سنت میں امام عادل کے مرتبہ و فضیلت کو بیان کرکے حکام کو عدل و انصاف سے مقدمات کا فیصلہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک وڈیرا اور ایک غریب آدمی برابر ہیں۔ صرف تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان قاضیوں کی عدالت میں خلیفہ وقت اور رعایا کا ادنیٰ فرد، طاقتور اور کمزور انسان ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جوابدہی کا تصور مسلمان قاضیوں سے درست فیصلے کروانے میں مہمیز کا کام دیتا رہا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقدمات کے فیصلے کے سلسلہ میں عزیز و بیگانہ میں بھی کوئی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ حق و صداقت کے اس پیکر عظیم نے عدل کے لئے اپنی ذات کو پیش کرکے مستقبل کے قاضیوں کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کر دیا کہ فیصلے کے سلسلہ میں اگر زد اپنے عزیز پر پڑے یا اپنی ذات سے بدلہ دلانا پڑے تو دنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ اور آخرت میں خدا کے حضور سرخروئی حاصل کرنے کے لئے قاضی کو اس سے بھی اجتناب نہیں کرنا چاہیے

اسلام کے نظامِ عدل میں قاضی کو غصّہ کے عالم میں فیصلہ کرنے سے منع کر دیا گیا ہے کیونکہ غصّہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور ایسی حالت میں غلط فیصلہ ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے جس سے معاشرہ میں انتشار اور خلفشار پیدا ہوتا ہے۔

اسلامی نظامِ عدل میں انصاف کے حصول کے لئے بے تحاشا خرچ نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی انصاف کے بہم پہنچانے میں بے جا تاخیر روا رکھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اگر انصاف کے حصول کے لئے بہت زیادہ خرچ کرنا پڑے اور اس کے حصول میں بے جا تاخیر ہو جائے تو غریب آدمی یا تو خود انتقامی کاروائی پر اتر آتا ہے یا مالی کمزوریوں کے سبب اور عدالتوں میں ذلیل ہونے کی بجائے اپنے حقوق ہی سے دست بردار ہونے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے اس بات کی طرف افرادی قوت وبیعندرپار پاکستانیوں کے وزیر مملکت محمد زمان نے بھی نشان دہی کرتے ہوئے کہا ہے:

"پاکستان میں حصول انصاف بہت مہنگا اور مشکل ہو گیا ہے۔ جس معاشرے میں عدل و انصاف نہیں رہتا وہ معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ ہم نے پاکستان اس مقصد کے لئے حاصل کیا تھا کہ ملک میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کریں گے لیکن اس جانب ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔"[۱]

اسلام کے نظامِ عدل کے قوانین مرورِ زمانہ کے ساتھ غیر مؤثر نہیں ہوتے۔ یہ قوانین ہم آہنگِ فطرت ہیں اور اس علیم و حکیم کے وضع کردہ ہیں جس نے انسان اور ساری کائنات کو تخلیق کیا۔ وہ انسانی نفسیات اور انسان کی مستقبل کی ضروریات سے بخوبی آگاہ ہے۔

اسلامی نظامِ عدل کی اہم ترین خصوصیت اس کا عطا کردہ تصورِ مساوات ہے یعنی قانون کے سامنے امیر و غریب اور حاکم و محکوم برابر ہیں جبکہ انگریزی قانون کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا اور عام عدالتیں وزیر اعظم، صدر، گورنر اور وزیر اعلیٰ پر مقدمہ نہیں چلا سکتیں۔ پاکستان کی حکومتوں نے انگریزوں کو رہبر جانتے ہوئے اسی قانون کو اپنے دساتیر میں نقل کر دیا ہے۔ سالہا سال کے

---

[۱] روزنامہ "پاکستان" لاہور، ۲۵ جنوری ۱۹۹۳ء

تجربات کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۷۳ء کے آئین کے آرٹیکل ۲۴۸ کو قطعی غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ اس آرٹیکل کے تحت صدر اور گورنر اپنے اعمال کے لئے کسی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں کونسل نے واضح کیا ہے کہ اسلام کے نمایاں ترین اصولوں میں سے ایک اصول جس کا ذکر مسلمان ہمیشہ بڑے فخر سے کرتے ہیں، قانون کی نظر میں سب کا برابر ہونا ہے۔ جہاں تک قانونی مساوات کا تعلق ہے۔ اسلامی قانون نے حاکم اور محکوم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ اسلامی نظام کے تحت ہر شخص اپنے اعمال کے لئے عدالت اور قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔[۱]

اسلامی نظامِ عدل خوفِ خدا اور آخرت میں اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کا تصور پیدا کر کے ایسا تزکیہ نفس کرتا ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان برائی کے مواقع ملنے کے باوجود اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔ جرائم سرزد ہونے سے پہلے ہی اسلام تبلیغ اور احتساب کے ذریعے ایسا معاشرہ پیدا کرتا ہے کہ جس میں لوگ خدا تعالیٰ سے محبت اور خوف کے حسین امتزاج کی وجہ سے جرائم سے باز رہتے ہیں۔ اسلام کے نظامِ عدل میں عبرت ناک سزائیں بھی اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ لوگ مجرم کا انجام دیکھ کر برائیوں سے باز رہیں اور افرادِ معاشرہ سکھ چین سے زندگی بسر کریں۔

اسلام کے یہ وہ قوانینِ عدل ہیں جو خدائے علیم و خبیر کے مرتب کردہ ہیں۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان میں کوئی نقص یا کمی محسوس نہیں کی گئی۔ ان قوانین عدل پر جب بھی عمل کیا گیا اس کے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوئے اور انسانی زندگی امن کا گہوارہ بن گئی۔ قرآن مجید کے ان قوانینِ عدل کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا عادلانہ نظام قائم فرمایا جس کی نظیر دنیا کے کسی قدیم و جدید معاشرے میں نہیں ملتی۔ اسلامی معاشرے میں عدل کو یقینی بنانے کے لئے آپ نے قانون کی بالادستی قائم کی۔ کسی بھی معاشرے میں عدل کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں قانون کی حاکمیت قائم نہ ہو۔

۱۔ روزنامہ "جنگ" لاہور، ۲۲ مئی ۱۹۹۲ء

مدینہ طیبہ کی پہلی اسلامی فلاحی مملکت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ لوگوں کے قضیوں کا فیصلہ وحی الٰہی کے مطابق فرماتے تھے اگر وحی نہ آتی تو اجتہاد فرماتے یا صحابہ کرام سے مشورہ کر کے فیصلہ کرتے۔ آپ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی گفتگو توجہ سے سن کر فیصلہ فرماتے تھے۔ اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ حاکم یا قاضی کو فریقین کی بات سنے بغیر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ صرف ایک ہی فریق کے بیانات سن کر فیصلے میں غلطی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور دوسرا فریق اپنی عدم موجودگی کی وجہ سے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ لہٰذا دونوں فریقوں کی بات سن کر ہی قاضی کو فیصلہ کرنا چاہیے۔

خلفائے راشدین نے مقدمات کے فیصلے کرنے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ ان کے دور مبارک میں قرآن و سنت عدلیہ کی بنیاد تھے۔ یہ قدسی صفات حضرات فیصلے کرنے میں قرآن و سنت سے قضیئہ زیر بحث کا حل تلاش کرتے۔ قرآن و سنت سے حل نہ ملنے کی صورت میں مشاورت و اجتہاد سے کام لیتے انسانی فطرت کو جتنا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سمجھتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں سمجھتا لہٰذا قرآن و سنت سے قضیوں کا حل یقینی طور پر درست ہوتا ہے۔ مشاورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت رکھی جاتی ہے۔ باقی رہا اجتہاد تو یہ بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل حاضرہ کو حل کرنے کا نام ہے۔

خلفائے راشدین کمزور کو اس وقت طاقتور سمجھتے تھے جب تک کہ اسے اس کا حق نہ دلوا دیتے اور طاقتور کو کمزور سمجھتے تھے جب تک کہ کمزور کا حق اس سے چھین نہ لیتے۔ اس نظریہ کو عدل و انصاف میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح فیصلہ معلوم ہوتا تو اس میں سر مو رد و بدل نہ فرماتے جیسا کہ کئی صحابہ کرام نے «ارتداد کے فتنے» اور مرکزی مقام «مدینہ طیبہ کی حفاظت» کے پیش نظر لشکر اسامہ کو روک لینے کا مشورہ دیا۔ ان حضرات کے دلائل سننے کے بعد خلیفہ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا «لو خطفتنی الکلاب والذئاب لم ارد قضاء قضا بہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۱] " اگر کتے اور بھیڑیئے مجھے گھسیٹ لے جائیں تو بھی میں وہ فیصلہ واپس نہیں لوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہ فیصلہ دیتے ہوئے دراصل آپ نے ایک بنیادی اصول قائم کیا۔

- جس مقدمہ کا فیصلہ کوئی اعلیٰ عدالت کردے اس پر ماتحت عدالت کو نظرثانی کا اختیار نہیں۔

حزولی کا مشورہ دینے کے باوجود بھی آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار کے عہدہ پر قائم رکھ کر بنی نوع انسان کو یہ بنیادی اصول دیا۔

- عدالت عالیہ کے فیصلے کے بعد انتظامیہ کے پاس کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ وہ ہر قیمت پر اسے نافذ کرے۔ خواہ حکومت کو اس کے نفاذ میں کتنی ہی مخالفت اور مشکلات کا سامنا ہو۔

عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ خلافتِ راشدہ کے نظامِ عدالت کا یہ مسلّمہ عدالتی طریقِ کار تھا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کی حاضری ضروری قرار دی گئی تھی۔ گواہ گواہی دیتے تھے۔ گواہوں پر جرح ہوتی تھی اور فیصلہ ظاہری شہادت پر دیا جاتا تھا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد اموی دور میں بھی عدل و انصاف کے معاملہ میں انتہائی کوشش کی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز عدل و انصاف کے معاملے میں اپنی ذات کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ خوفِ خدا کی وجہ سے ولید بن عبدالملک کی طرف سے تحفتہً[۲] انگوٹھی ملی ہوئی بھی بیت المال میں جمع کروادی۔ جب حکام اور قضاۃ میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے تو از خود مقدمات کے فیصلے درست ہونے لگتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بعض اوقات مقدمات کے فیصلے موقع پر ہی سنا دیتے۔ یہ حکام اور قضاۃ کے لئے رہنما اصول ہے کہ انصاف وہ قابلِ قدر ہے جو بلا تاخیر اور مفت ملے۔

خلفائے عباسیہ کے دور میں عوام الناس کو کھلی اجازت تھی کہ ظلم و ستم کے متعلق قاضی کی عدالت میں رجوع کریں

---

[۱] الطبری: ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک المعروف بتاریخ طبری، دارالمعارف مصر، ۱۹۶۲ء، ج ۳، ص ۲۲۶

[۲] ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۵، ص ۳۴۱-۳۴۲

اگرچہ ظلم سے متعلقہ شکایت خلیفہ وقت ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اس اصول کی بنا پر خلیفہ وقت کسی عام آدمی پر ظلم وستم ڈھانے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔ اس سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ قانون اور عدالت کے سامنے آدمی بھی جوابدہ ہے اور انصاف کے حصول میں سب مساوی ہیں۔

قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج کے ذریعہ ہارون الرشید کو عدل و انصاف کے نفاذ کا مشورہ دیا۔ جس پر ہارون الرشید نے عمل کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر عدلیہ ملک میں عدل و انصاف کی تنفیذ کے لئے حکومت کو تجاویز پیش کرے تو حکومت صدقِ دل سے ان تجاویز کو عملی جامہ پہنائے۔ جس طرح وفاقی شرعی عدالت نے حکومتِ پاکستان کو سود کے خاتمے کا مشورہ دیا۔

عباسی خلفاء کے دور میں تحریری درخواستوں پر تحقیق کے بعد انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ بعض لوگ خلیفہ کے روبرو بوجہ رعب و دبدبہ اپنا مافی الضمیر بیان نہ کر سکتے تھے۔ خلفائے راشدین کی طرح عباسی خلفاء کے دور میں بھی سماعت کے وقت فریقین کا مجلس میں ہونا ضروری تھا۔ فقہا سے زیرِ بحث مقدمہ میں رائے لی جاتی۔ امن وسکون پیدا کرنے کے لئے پولیس سے مدد لی جاتی یہ تمام انتظامات اس لئے کئے جاتے تھے تاکہ مقدمہ زیرِ بحث کا درست فیصلہ ہو اور فریقین کو عدل کے حصول میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اکثر خلفاءِ عباسیہ ظلم وجور کے خلاف خود مقدمات کی سماعت کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام املاک مستحقین تک پہنچ گئیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب ملک کی سب سے بڑی عدالت عدل و انصاف بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے تو ماتحت عدالتیں بھی مقدمات کو نبٹانے اور انصاف مہیا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتیں۔

سلاطین دہلی انصاف کے معاملے اپنے بھائی بیٹے اور عزیز واقارب میں سے کسی کے ساتھ رعایت نہ کرتے اگر ان کے مقربین میں سے بھی کوئی ظلم کا ارتکاب کرتا تو عدل کرنے میں ذرا تامل نہ کرتے۔ اپنے مقرب کے مقابلے میں مظلوم کی داد رسی کرتے۔ انصاف مہیا کرتے وقت ان کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا کہ ظلم میرے اعوان و انصار میں سے کس نے کیا ہے؟ اس کو سزا دینا خلافِ مصلحت ہوگا۔ ان کے پیشِ یہ اصول تھا کہ اعوان و انصار کی بے جا

حمایت سے ظلم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظلم کے ارتکاب پر غریب کو پوری سزا دینا اور امیر کو حیلے بہانے سے رہا کر دینا قوموں کی تباہی کا سبب بنتا ہے

عدل و انصاف کے سلسلہ میں ھندوستان میں مغلیہ خاندان کا دورِ حکومت ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ مغل حکمران اہم مقدمات کے فیصلے اور اپیلوں کی سماعت خود کرتے تھے۔ عوام کی شکایات سن کر داد رسی کرنا مغل حکمرانوں کا شیوہ تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے امرا اور مغل شہزادے مجرم ہونے کی صورت میں سزا سے نہ بچ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ عوام خوشحال تھے۔

مغل بادشاہوں نے اپنے نظامِ عدل سے لوگوں کو مطمئن کر رکھا تھا۔ وہ دیوان عام میں عوام کی شکایات سننے اور انصاف کرنے کی خاطر روزانہ عدالت لگاتے۔ انصاف کا طریقہ اتنا آسان تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی بادشاہ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ وہ دربار میں حاضر ہو کر خود اپنا استغاثہ پیش کر دیتا بادشاہ درخواست پڑھوا کر سنتا۔ مدعی سے جرح کرتا اور پھر مناسب کاروائی کے بعد فیصلہ صادر کر دیتا اکبر نے روزانہ عدل و انصاف کے لئے وقت مقرر کر رکھا تھا۔ جہانگیر نے اپنے محل میں "زنجیرِ عدل" آویزاں کروا دی تھی۔ شاہ جہاں بھی روزانہ عدل و انصاف کے لئے وقت دیتا تھا اور بدھ کے دن ماتحت عدالتوں کے خلاف اپیلیں سنتا تھا۔

مغلوں کا عدالتی نظام عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔ موجودہ زمانے کا مغربی قانون مجرم کو مریض سمجھ کر ہمدردی کا مستحق گردانتا ہے اور اسے ایسی سزائیں دیتا ہے جو اس کے ذوقِ گناہ کو تیز تر کر دیتی ہیں مغل بادشاہ اس معاملہ میں نفسیاتی الجھنوں میں نہیں پڑتے تھے وہ جرائم پیشہ عناصر کو سختی سے کچل دیتے رعایا کے دشمن کو جب تک سزا نہ دے دیتے مطمئن نہ ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ مغلیہ دور کی رعایا فرامین کی اس قدر پابندی کرتی تھی کہ ڈاکہ و قتل کی خبریں بہت کم سنی جاتی تھیں۔ ایک غیر ملکی باشندہ بھی بلا خوف و خطر ملک کے ہر حصہ میں گھوم سکتا تھا۔

عہد مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کا دورِ حکومت عدل و انصاف کے لئے ایک امتیازی حیثیت کا حامل تھا جس میں عزیز و بیگانہ، غریب و امیر، دوست و دشمن اور حاکم و محکوم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ عالمگیر کے دور میں شریعت کے احکام کو بالادستی حاصل تھی۔ شریعت کا دائرہ عمل مرکز اور تمام صوبہ جات تک وسیع تھا اور شریعت کی برتری سے پوری مملکت ظاہری جرائم سے پاک ہوگئی تھی۔ ہر جگہ قرآن و سنت کے احکام کی پابندی کی جاتی اور کسی جگہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جو شریعت کو چیلنج کر سکتا یا جس میں اتنا حوصلہ ہوتا کہ شریعت کے احکام کی علی الاعلان مخالفت کرے۔

شریعت کی بالادستی قائم کرنے کے لئے عالمگیر نے ممتاز فقہا کی خدمات حاصل کر کے "فتاویٰ عالمگیری" کو عدالتی قانون کی حیثیت سے مرتب کروایا۔ اس فتاویٰ کی وجہ سے حکام اور قاضیوں کے لئے فیصلے کرنے آسان ہوگئے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے قبل ایک ہی نوعیت کے مقدمے میں مختلف قاضی مختلف فیصلے کرتے تھے لیکن فتاویٰ کی تدوین سے یہ تضاد اور نقص دور ہوگیا اور مقدمات کے فیصلوں کے سلسلہ میں یکسانیت پیدا ہوگئی۔ مذکورہ فتاویٰ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے۔ اس کی عبارت سہل اور رواں ہے۔ دقیق مسائل کو بھی عمدہ پیرائے میں لکھا گیا ہے یہ اسلامی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بغور مطالعہ سے مقدمات کو بآسانی نبٹایا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ علماءِ فقہ کی ایک پوری جماعت کی محنت کا نتیجہ ہے لہٰذا اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری وہ کتاب ہے جو علماء اور فقہاء کے لئے رہنما ہے قضاۃ کے لئے ممد و معاون ہے اور عوام الناس کے لئے مشعل راہ ہے۔ قیامت تک لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتی رہے گی اور عالمگیر کے لئے یہ کتاب توشہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنی رہے گی۔

اگر مقدمات کی جہت درست کرنے کے لئے عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کو مدون کروایا تو عوام الناس کے اخلاق کا قبلہ سنوارنے کے لئے عالمگیر نے احتساب کے محکمہ کی از سرِ نو تشکیل کی۔ اگرچہ یہ محکمہ عالمگیر سے قبل مغلیہ دور میں موجود تھا مگر بے روح تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے رعایا کا اخلاق سنوارنے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہو۔ یہ صرف اورنگ زیب تھا کہ جس نے بادشاہ کا منصب

پانے کے بعد رعایا کے کردار کو سنوارنے کے لئے باقاعدہ محتسب مقرر کئے۔ یہ محتسب بڑے مستعد تھے۔ ان کی نگاہ سے کوئی ظاہری برائی چھپ نہیں سکتی تھی۔ شرابی ہو یا زانی، بدمعاش ہو یا چور اچکا، ان کے کوڑے سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا اورنگ زیب کے حکم سے شراب، بھنگ، جوا، زنا اور فاحشہ عورتوں کی خرید و فروخت قطعاً ممنوع قرار دے دی گئیں جو لوگ اس ممانعت کا لحاظ نہ کرتے انھیں کڑی سزائیں دی جاتیں۔ احتساب کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان برعتوں اور خواہشات نفسانی کی برائیوں سے پاک ہوگیا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے قائم کردہ نظامِ عدل میں قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کی گئی جس کی وجہ سے عدل کا اعلیٰ معیار قائم ہوگیا۔ اگر عدلیہ کسی ملکی قانون کو قرآن و سنت کے خلاف ہونے کی نشان دہی کرے تو حکومت کے لئے لازمی ہوجاتا ہے کہ اس ملکی قانون کو منسوخ کرکے شرعی قانون کو جاری کرے چاہے اس قانون کے نفاذ میں انتظامیہ کو رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ جب عالمگیر کو بتایا گیا کہ اشیاء کے تعین نرخ کا قانون خلاف سنت ہے تو عالمگیر نے فوراً شریعت کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور یہ قانون منسوخ کردیا۔[1] دراصل وہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا بول بالا کرنا چاہتا تھا اس لئے قوانین اسلام کا مکمل نفاذ اس کا مقصودِ زندگی تھا۔ اگر کوئی قاضی شریعت کے خلاف فیصلہ کرتا تو وہ کالعدم قرار دے دیا جاتا تھا

دورِ عالمگیری میں مظلوم کو مفت انصاف مہیا کیا جاتا تھا کیونکہ عدالتوں کے بھاری اخراجات برداشت کرنا ایک غریب مظلوم کے بس کی بات نہیں ہوتی لہٰذا اکثر اوقات ایک غریب آدمی مقدمہ پر اٹھنے والے اخراجات سے گھبرا کر اپنے حق ہی سے دست بردار ہوجاتا تھا اس لئے عالمگیر کے دور میں دستاویزات پر کورٹ فیس وصول نہ کی جاتی تھی۔ عالمگیر کے دور میں زیادہ تر مقدمات کا فیصلہ مقامی عدالتوں میں ہوجاتا تھا اس سے فریقین کے وقت، محنت اور روپے کی بچت ہوجاتی تھی

عالمگیر نے مقدمات میں تاخیر کے اسباب دور کرنے پر خصوصی توجہ دی۔ اس نے ہدایات جاری کیں کہ تمام فوجداری مقدمات کو بلا تاخیر نبٹایا جائے کیونکہ تاخیر سے انتقام کے جذبات بھڑکتے ہیں اور نئے مقدمات جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۶۷۱ء میں جب عالمگیر کو پتہ چلا کہ گجرات کے قاضی عدالت میں صرف دو دن

---

[1] خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۹۵-۹۶

مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں تو عالمگیر نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمان بھیجا کہ شاہی عدالت کی پیروی میں پانچ دن مقدمات کے فیصلے کئے جائیں۔[1] اس حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر خود پانچ دن عدالت میں مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ خود عمل کر کے اپنے قاضیوں کو پانچ دن کام کرنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکمران کو پہلے خود باعمل ہونا چاہیے اور پھر احکام جاری کرنے چاہییں۔ عدالتوں کی نگرانی بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے تاکہ فیصلہ کرنے والے حکام سیدھی راہ سے ہٹنے نہ پائیں۔ عالمگیر کے دور میں بددیانت اور جانبدار قاضی برطرف کر دیئے جاتے تھے۔

عالمگیر کے دور میں عدلیہ انتظامیہ سے الگ تھی۔ قاضیوں کو انتظامی فرائض تفویض نہیں کئے جاتے تھے اور انتظامی افسروں کو عدالتی ذمہ داریوں سے الگ رکھا جاتا تھا اس لئے کہ اگر عدلیہ انتظامیہ کے تحت ہو تو سیاسی دباؤ کے تحت غلط فیصلے کئے جاتے ہیں۔ عدلیہ کی انتظامی ڈیوٹیوں کی وجہ سے انصاف میں تاخیر ہوتی ہے اور عدلیہ کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

اسلام کے نظامِ عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے عالمگیر نے خود اپنے اور اپنے عزیزوں کے خلاف فیصلے کئے حتیٰ کہ اپنے بیٹوں کے خلاف بھی کوئی الزام ثابت ہو گیا تو انھیں سزا دینے سے گریز نہ کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا احساس تھا کہ جس نے عالمگیر کو ہمیشہ درست فیصلے کرنے کی ترغیب دی۔

عدلیہ کا وقار بلند کرنے کی خاطر عالمگیر نے قاضیوں کو بہت سے اختیارات دیئے۔ قاضی تمام مقدمات کے فیصلے قوانین الٰہی کے مطابق کرتے اور اس سلسلہ میں ملکی رسم و رواج کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ عہدِ عالمگیر کے قاضی یہاں تک باوقار تھے کہ وہ حق بات کہنے کے سلسلہ میں خود عالمگیر سے بھی نہ ڈرتے تھے۔ قاضی شیخ الاسلام اور قاضی عبداللہ نے بیجاپور اور حیدرآباد کی مہم کے جواز کے مسئلہ پر عالمگیر کو خلاف مرضی جواب دیکر بادشاہ کو تو ناراض کر لیا مگر اپنے رب اللعالمین کو ناراض نہ کیا۔[2]

---

[1] Muhammad Akbar, Administration of Justice by the Mughals, P.48

[2] خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۳۲۳

اس بات کا اعتراف جے۔ این۔ سرکار نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ایماندار اور جرأت مند قاضی نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا - دربار کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ اورنگزیب نے اسے دوبارہ عہدہ قبول کرنے کی بار بار درخواست کی مگر شیخ الاسلام نے یہ عظیم عہدہ قبول نہ کیا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے سامنے حق بات کہنا قاضیوں کا شیوہ رہا ہے اور مسلمان بادشاہوں نے بھی ایسے قاضیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جیسا کہ عالمگیر نے مذکورہ قاضیوں کو حق بات کہنے کی پاداش میں عہدہ سے برخاست نہ کیا بلکہ شیخ الاسلام کے استعفیٰ دینے کے باوجود انھیں دوبارہ قاضی کے عہدہ پر فائز کرکے عزت افزائی کرنا چاہتے تھے۔

الغرض عالمگیر کے نظامِ عدالت کی دو خصوصیات بہت نمایاں تھیں:

○ اولاً یہ کہ اُس نے عدالت کے اس ڈھانچہ کو جوں کا توں برقرار رکھا جسے مسلم فقہا نے متعین کیا تھا اور اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے فتاویٰ عالمگیری جیسی مستند کتاب مرتب کروائی۔ عدل و انصاف کے سلسلہ میں اُس نے خود بھی قرآن و سنت کی پابندی کی اور اپنے عہد کے قاضیوں سے بھی شرعی قانون کی پابندی کروائی۔

○ ثانیاً اُس کا محکمہ عدالت بلحاظ تنظیم اعلیٰ درجہ کا تھا اور اُس کا عملہ بھی قابل اور دیانتدار اشخاص پر مشتمل تھا۔

1۔ Anecdotes of Aurangzib, P. 14

عالمگیر کے عدل اور عدالتی نظام کا تنقیدی جائزہ

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں قرآن و سنت کے احکام کو بالادستی حاصل تھی۔ بادشاہ سمیت تمام حکام شریعت کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرنے کے پابند تھے۔ عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین بھی اسی لئے کروائی کہ ریاست کے تمام حکام اعلیٰ اور عدالتوں کے پاس اس کے نسخے پہنچا دیئے جائیں تاکہ وہ اس کے مطابق فیصلے کریں۔[1]

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت کا سب سے روشن کارنامہ اس کا عدل و انصاف ہے جس کی گواہی نہ صرف ہم عصر وقائع نویسوں نے دی ہے بلکہ اس وقت کے غیر ملکی سیاحوں نے بھی عالمگیر کے عدل کی واضح شہادت دی ہے مگر ایک غیر ملکی سیاح منوچی کہتا ہے کہ عالمگیر کے دور میں جھوٹے گواہوں اور جعلسازوں کی کثرت تھی۔ جعلی دستاویزات گھڑی جاتی تھیں۔[2] اس نے مزید لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سپاہی نے اپنے مردہ گھوڑے کو دفن کرکے مزار بنا لیا اور اسے ولی اللہ کے مزار کے طور پر مشہور کر دیا۔ اس نے فقیر کا حلیہ بنا لیا اور مزار پر ایک عقیدت مند کی حیثیت سے بیٹھ گیا اور نذرانے اکٹھے کرنے لگا۔ عالمگیر نے وہاں سے گزرتے ہوئے مدفون ولی اللہ کا نام پوچھا اور مقبرے میں مدفون ولی اللہ کی موجودگی پر شک کیا۔ عالمگیر نے فقیر کو مقبرہ کھودنے کا حکم دیا اور جب گھوڑے کی ہڈیاں برآمد ہوئیں تو فقیر کو کوڑے لگائے گئے اور اسے جلاوطن کر دیا گیا۔[3] ان مذکورہ دلائل کی بنا پر وہ کہتا ہے:

...That this monarch may assert, it is to be controverted that everyday there are committed in Hindustan the monstrous crimes.[4]

---

[1] رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۲

[2] Manucci Niccolao, storia do mogor, Vol. III, p. 262

[3] Ibid, Vol. II, p. 15

[4] Ibid, Vol. III, p. 261

یعنی یہ بادشاہ وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ ہر روز ھندوستان میں دنیا بھر کے ننگ انسانیت مظالم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ منوچی کی اس رائے کو قطعی صداقت کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اتنے وسیع ملک میں کہیں جرائم کا سرزد ہو جانا کوئی بعید بات نہیں۔ کوئی ملک یہ دعوی سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ملک میں جرائم سرزد نہیں ہوتے۔ نا انصافی یہ ہوتی ہے کہ مجرموں کو پکڑا نہ جائے یا پکڑ کر حیلے بہانوں سے چھوڑ دیا جائے۔ سیاسی دباؤ یا ذاتی اثر و رسوخ سے مجرم کو رہا کرا لیا جائے۔ رشوت لیکر مجرموں کو سزا نہ دی جائے اور پھر منوچی بھی یہ بات نہیں کہتا کہ جرائم کے ارتکاب پر عالمگیر کے دور میں مجرموں کو سزا نہیں ملتی تھی اور وہ عدل و انصاف کرنے میں سستی کرتا تھا۔ عالمگیر کے عدل و انصاف کے متعلق اس کا اپنا بیان ہے :

The Emperor once said that it was the bounden duty of kings to apply themselves unweardiely and painstakengly to the dispensing of equal justice to everybody.[1]

یعنی بادشاہ نے ایک دفعہ کہا کہ یہ بادشاہوں کا باقاعدہ فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو انتھک طریقے سے اور انتہائی محنت سے انصاف مہیا کریں۔

اورنگ زیب نے نہ صرف یہ بات کہی بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے :

Each day he would hold the Darbar twice, where everyone could gain admission. There he heard the complaints and pronounced his judgement. The sentence was executed on the spot.[2]

---

[1] Manucci, storia do mogor, vol. III pp. 260-61
[2] Ibid, p. 262

یعنی ہر روز وہ دو دفعہ دربار منعقد کرتا جہاں ہر کسی کو آنے کی اجازت تھی۔ وہ مقدمات سن کر اپنے فیصلوں کا اعلان کرتا۔ سزا موقع پر ہی دے دی جاتی تھی۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انصاف فوری طور پر مہیا کیا جاتا تھا۔ رہا معاملہ گھوڑے کو دفن کر کے ولی اللہ کا مزار مشہور کرنے کا، اس معاملہ میں عالمگیر کے انصاف پر کوئی حرف گیری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جوں ہی عالمگیر کو اس فوجی کی جعلسازی کا پتہ چلا تو اسے کوڑے لگائے گئے اور جلا وطن بھی کر دیا گیا تاکہ وہ دوبارہ لوگوں کو دھوکا نہ دے سکے۔ سزا دینے کا بیان بھی منوچی نے خود کیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں عالمگیر کے عدل و انصاف پر تنقید کرنا بیجا ہے۔ لین پول عالمگیر کے عدل کے بارے میں رقمطراز ہے:

"اورنگ زیب عالمگیر عدل و انصاف کا پتلا تھا۔ اس کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں اس سے کوئی ظلم اور ناانصافی کا فعل سرزد نہیں ہوا۔"[۱]

علاوہ ازیں عالمگیر کا ایک ہم عصر واقعہ نویس خافی خاں لکھتا ہے:

"خاندانِ تیموری کے سب بادشاہوں میں سے بلکہ دہلی کے سبھی تاجداروں کو مدِنظر رکھا جائے تو سوائے سکندر لودھی کے کوئی ایسا نہیں کہ جو عالمگیر کی طرح مذہب کا دلدادہ ہو۔ سادہ طبیعت اور انصاف پسند ہو۔ بہادری، جفاکشی اور قوتِ فیصلہ میں اس کا جواب نہیں۔"[۲]

اورنگ زیب عالمگیر کے عدالتی نظام پر تنقید کرتے ہوئے جے۔ این۔ سرکار رقمطراز ہے:

The main defect of the Department of law and justice was that there was no system, no organization of the law courts in regular gradation from the highest to

---

۱۔ Lanepoole, Aurangzib, P. 64

۲۔ خافی خاں، منتخب اللباب، ص ۵۵۰

the lowest, nor any proper distribution of courts in proportion to the area to be served by them. The bulk of litigation in the country naturally came up before the courts of the qazis and sadrs.[1]

یعنی قانون اور انصاف کے محکمہ کا بڑا سقم یہ تھا کہ اوپر سے لیکر نیچے تک عدالتوں کی کوئی باقاعدہ تنظیم اور درجہ بندی نہ تھی اور نہ اُن عدالتوں کے دائرہ سماعت کی کوئی مناسب تقسیم تھی۔ قدرتی طور پر ملک کے زیادہ تر مقدمات قاضیوں اور صدور کی عدالت میں آتے تھے۔

جے۔ این۔ سرکار کا یہ کہنا کہ عدالتوں کی کوئی درجہ بندی نہ تھی قرین انصاف نہیں ہے۔ ملک میں محکمہ عدالت موجود تھا جس میں شاہی عدالت، گورنر صوبہ کی عدالت، عدالت سرکار، عدالت فوجدار اور پھر قاضیوں کی عدالتیں تھیں اور پھر قاضیوں کی عدالتوں میں بھی قاضی القضاۃ، قاضی صوبہ، قاضی سرکار اور پرگنہ کے قاضیوں کی عدالتیں موجود تھیں۔ جس طرح آج کل مجسٹریٹ درجہ اول، دوم ہوتے ہیں اسی طرح قاضیوں کے اختیارات اور دائرہ سماعت تقرر نامے میں بیان کر دیئے جاتے تھے۔

سرکاری ملازموں کے مظالم کے خلاف دیوان المظالم میں دادرسی کی جاتی تھی۔ مرآت احمدی میں ہے:
ہر پرگنہ (تحصیل) میں لازمی طور پر ایک قاضی بیٹھتا تھا جہاں عوام مقدمات پیش کرتے۔ ہر ضلع میں کم از کم تین قاضی عدالتی فیصلے کرتے۔ ایک مفتی شرعی معاملات میں قاضی کی مدد کے لئے مقرر تھا۔[2]

بقول ابن حسن:

"شہروں اور پرگنوں کی عدالتیں مقامی مقدمات کے لئے کافی تھیں۔[3]

---

[1] J. N. Sarkar, Mughal Administration, P. 107

[2] مرآت احمدی، ص ۱۷۱، ۳ بحوالہ رشید اختر ندوی، اورنگ زیب، ص ۳۹۴

[3] ابن حسن، مغلیہ سلطنت کی ہیئت مرکزی، ترجمہ عبد الغنی نیازی، ص ۵۱۰-۱۱

قاضیوں کے پاس دیوانی اور فوجداری دونوں قسم کے مقدمات آتے تھے - یہ قاضی حضرات اپنے علم اور زھد و تقویٰ کی بنا پر معروف اور قابل اعتماد ہوتے تھے - عدالتی کاروائی طویل نہیں ہوتی تھی - قاضی جلد فیصلے کر دیتے تھے - قاضیوں کے علاوہ مرکز اور صوبوں میں بادشاہ، قاضی القضاۃ، گورنر اور صدر جہاں بھی دیوانی اور فوجداری مقدمات سنتے تھے - فوجدار کی عدالت میں صرف فوجداری قسم کے مقدمات کے فیصلے کئے جاتے تھے مالی قسم کے مقدمات کے فیصلے دیوان کرتا تھا - دیہاتوں میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے پنچایت کا نظام موجود تھا - عالمگیر کے دور میں زیادہ تر مقدمات ابتدائی عدالتوں میں سماعت ہوتے تھے - اس سے فریقین کے وقت، محنت اور پیسے کی بچت ہو جاتی تھی -

اورنگ زیب عالمگیر نے بلا تاخیر اور مفت انصاف مہیا کرنے کے لئے تمام ممالک محروسہ میں شرعی وکیلوں کو مقرر کر دیا تھا تاکہ جو اللہ تعالیٰ کے بندے دار الخلافہ پہنچنے سے معذور ہوں وہ ان وکلائے شرعی کے پاس رجوع کر کے اپنا استغاثہ پیش کریں۔[1] بقول ابن حسن:

"عالمگیر کے وقت عدالتوں کا ایک مربوط نظام موجود تھا - قاضیوں کا دائرہ سماعت مقرر تھا - بوقت تقرری قاضی کو ایک سند دی جاتی جس میں اس کے فرائض کی وضاحت ہوتی تھی۔"[2]

الغرض عالمگیر کے وقت عدالتوں کا ایک ایسا مربوط نظام موجود تھا جس میں ہر ایک کو انصاف بروقت میسر آتا تھا - یہ درست ہے کہ اس دور میں دور حاضر کی طرح عدالتوں کا دوہرا، تہرا اور پیچیدہ نظام نہ تھا کہ جس میں غریب آدمی کے لئے انصاف کا حصول مشکل ترین مرحلہ ہے - عصر رواں میں انصاف کافی رقم خرچ کر کے حاصل کرنا پڑتا ہے لیکن عالمگیر کے دور میں غریب سے غریب آدمی کے لئے انصاف کا حصول آسان تھا - اس لئے یہ بات کہنا مبنی بر انصاف ہے کہ عالمگیر نے جو عدالتی نظام قائم کیا اور جس معاشرہ کے لئے جاری کیا وہ اس کے لئے نہایت مناسب اور اسلامی اصولوں کے مطابق تھا -

---

۱؎ خافی خان، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۲۹

2. The central structure of Mughal Empire, P. 316

سفارشات

قرآن کریم میں اہل ایمان کے فعال کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ [1]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کردیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ [2]

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کی ہدایات کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں

قرآن مجید نے ہمیں یہ شعور عطا کیا ہے کہ ہماری ذمہ داری انفرادی سطح پر صرف توحید و رسالت کے اقرار تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اجتماعی سطح پر نظامِ عدل کا قیام، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کا نفاذ بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

اسلام کے نظام عدل کے نفاذ کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے طویل ترین تاریخی جدوجہد کے بعد ایک مملکت حاصل کی۔ خوش قسمتی سے مملکت پاکستان ۲۷ رمضان المبارک کی شب کو معرض وجود میں آئی اور اسی مبارک شب کو خدا تعالیٰ کا آخری آئین قرآن کی شکل میں ملا تھا جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی نوزائیدہ مملکت میں نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رائج کیا جائے۔ شکر ان نعمت اور ادائے فرض کا تقاضا تھا کہ بلا کسی تاخیر و تذبذب کے پاکستان میں اسلامی نظام عدل نافذ کر دیا جاتا۔ لیکن لادینی عناصر ہمیشہ سدِ راہ رہے۔ سادہ دل عوام کو شکوک و شبہات اور ادائیگی فرض کی تاخیر کے غلط قسم کے جواز پیش کیے گئے۔

---

[1] الحج : ۴۱

[2] المائدہ : ۴۴

عوام نے نفاذ شریعت کے لئے قائم ہونیوالی مملکت کے حصول کے لئے جو قربانیاں پیش کی تھیں انھیں فراموش کرنے کی کوشش کی گئی مگر الحمدللہ عوام کے دلوں میں اسلام کی شمع جلتی رہی اور اس مملکت کو لادینی عناصر کی گرفت سے نجات دلانے کے لئے وہ ولولہ انگیز جدوجہد کرتے رہے۔ ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ملک میں نفاذ اسلام کی ایک کڑی تھی۔ آخرکار پاکستان کے بااختیار لوگوں کو اس عوامی مطالبے کی اہمیت کا اچھی طرح احساس ہوگیا اور وہ اس اعتراف پر مجبور ہوگئے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں غیر اسلامی نظام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم پاکستان میں اسلام کا وہ نظامِ عدل رائج کریں جسے اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان میں نافذ کرکے اسلام کا بول بالا کردیا تھا۔ جس کے اعتراف پر اپنے تو کیا غیر بھی مجبور ہیں۔ اب پاکستان میں اسلامی نظامِ عدل کے نفاذ کے لئے چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں:-

۱۔ قرآن وسنت کی برتری

جب ہم اسلام کے عدالتی نظام کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد عدالتی ڈھانچے کی کوئی خاص شکل وہیئت نہیں ہوتی کیونکہ جہاں تک شکل کا تعلق ہے تو یہ مرور زمانہ کے ساتھ یقیناً بدل جاتی ہے۔ تمدنی ترقی کے اثرات اس پر پڑتے ہیں۔ دراصل جو چیز شکل وہیئت سے اہم ہے وہ اس کی روح یا اس کے بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق وہ شکل وجود پذیر ہوگی۔ لہٰذا اگر جج کو قاضی اور چیف جسٹس کو قاضی القضاۃ کہا جائے یا ضلعی عدالتوں کو قاضی کورٹس یا عدلیہ کو محکمہ قضا کہہ دیا جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا جب تک کہ عدالتوں میں قرآن وسنت کے احکام کو برتری حاصل نہ ہو جیسا کہ عالمگیر کے دور میں عدالتوں میں قرآن وسنت کے احکام کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے۔ عدالتوں میں قاضیوں کے فیصلے کے لئے اس وقت کے ممتاز علمائے قانون سے تعزیرات ہند بنام فتاویٰ عالمگیری تیار کروائی گئی۔ شریعت کی پاسداری کے لئے تعین نرخ کا قانون منسوخ کردیا گیا[1]

لہٰذا پاکستان میں اسلامی مشاورتی کونسل یا وفاقی شرعی عدالت نے جن قوانین کو شریعت کے خلاف قرار دیا ہے حکومت کو انھیں فی الفور ختم کرنا چاہیے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے دستور میں واضح طور پر

---

[1] خافی خاں، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۳۹۵-۹۶

لکھا جانا چاہیے کہ شریعت ہی پاکستان کا بالاتر قانون ہے۔ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ نیز اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ہر اس قانون بشمول آئین کو کالعدم قرار دے سکیں جو ان کی رائے میں قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ نیز عدالتوں کے لازمی ہوگا کہ وہ اپنے فیصلے صرف قرآن وسنت کے مطابق کریں۔

۲۔ اسلامی قانونی اکیڈمی کی ضرورت

جج صاحبان قرآن وسنت کے مطابق تبھی فیصلے کر سکیں گے جب وہ اسلامی قانون کے ماہر ہوں گے۔ اس لئے موجودہ ججوں کو اسلامی قانون میں تعلیم وتربیت دینے کے لئے ملک میں اسلامی قانونی اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اکیڈمی اس پورے کام کا جائزہ لے جو قانون میں ہمارے اسلاف کر چکے ہیں اور ان ضروری کتابوں کو جو فقہ اسلامی کی واقفیت کے لئے ناگزیر ہیں ان کی نہ صرف اردو زبان میں منتقلی کرے بلکہ ان کے مواد کو زمانہ حال کے طرز پر مرتب کرے تاکہ ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مقدمے میں مفید معلومات کا اضافہ کر کے اسے ازسرِنو مدون کیا جا سکتا ہے۔ اس اکیڈمی میں دوسرا کام جو ہونا چاہیے وہ یہ کہ اکیڈمی قانون پڑھنے اور جاننے والے طلباء کی اس طرح اخلاقی آبیاری کرے کہ وہ کامل عدل وانصاف کے پیکر بن کر کرسی عدالت پر بیٹھیں پھر یہ لوگ نہ جھکیں نہ بکیں اور اپنی سیرت وکردار کے لحاظ سے اتنے بلند ترین ہوں کہ اُن کے عدل اور فرض شناسی کی وجہ سے معاشرہ اسلامی اقدار کا عملی نمونہ پیش کرے کیونکہ جس ملک کی عدلیہ مضبوط ہوتی ہے وہ ملک مضبوط ہو جاتا ہے۔ عدلیہ کے بے عنوان ہونے کی وجہ سے ملک برباد ہو جاتا ہے

۳۔ وکلاء کا کردار

برصغیر میں انگریز کی آمد سے قبل عالمگیر کے دور میں عدالتوں میں عموماً قاضی فیصلے کرتے تھے۔ ان کی مدد کے لئے دیگر عدالتی عملے کے علاوہ مفتی یعنی اسلامی قانون کے ماہر ہوتے تھے۔ عالمگیر نے غریبوں کو انصاف مہیا کرنے کے لئے تمام شہروں میں شرعی وکیل مقرر کر دیئے تھے۔[۱]

---

[۱] خافی خان، منتخب اللباب، ج ۲، ص ۲۲۹

اُن وکیلوں کو حکومت کی طرف سے روزانہ کا معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ یہ وکیل غریبوں کے مقدمات کی مفت پیروی کرتے تھے۔ مگر پاکستان کی عدالتوں میں وکلا کی فیس اتنی زیادہ ہے کہ ایک غریب آدمی تو کجا، متوسط آدمی بھی ان کی فیسوں کا متحمل نہیں ہو سکتا اور پھر یہ وکلاء باوجود علم ہونے کے ظالم مجرم کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ بات اسلامی عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ یہاں یہ امر واضح کر دینا مناسب ہو گا کہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اس لئے کہ بہت دفعہ اس سے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی پشت پناہی ہوتی ہے۔ وکلا کو مناسب فیس لینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ وکلاء کا اصل کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ مقدمے کو ضابطے کی صورت دیکر عدالت میں پیش کرنے کے قابل بنا دیں۔ [۱]

۴۔ ادارہ احتساب کا قیام

ایک اسلامی معاشرے میں عمّالِ حکومت اور انتظامیہ کا خدا ترس، با اخلاق، منصف مزاج اور دیندار ہونا ضروری ہے تاکہ عام لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک ہو اور انتظامی اختیارات کے بل بوتے پر اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو لہذا سرکاری محکموں، دفتروں، دفتری طریقہ کار اور قواعد وضوابط کی پیچیدگیوں کی بنا پر پیدا ہونے والی عام لوگوں کی شکایات کے ازالہ کے لئے ادارہ احتساب کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک صاف ستھری انتظامیہ کی شکل سامنے آئے جس پر عموماً لوگوں کو اعتماد ہو کیونکہ یہی نظامِ اسلام کے نفاذ کی پالیسی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

پاکستان میں حکمران طبقہ، وزراء، منتخب ارکان اسمبلی اور اعلی تعلیمی اداروں کے متعلق آئے دن طرح طرح کے سکینڈل منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ قومی وسائل کو لوٹنے اور برباد کرنے کے واقعات کی تعداد شرمناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ قومی دولت کو با اثر افراد اور قومی رہنماؤں نے جس بیدردی کے ساتھ لوٹا ہے اس کی عبرتناک داستانیں ہر روز منظر عام پر آرہی ہیں۔ [۲] اس کے لئے ضروری ہے کہ وفاقی محتسب کے موجودہ ادارہ کو زیادہ

---

[۱] حکیم محمد سعید، نفاذِ شریعت ــ چند تجاویز، فکر ونظر، شریعت نمبر، مارچ اپریل ۱۹۸۳، ص ۲۲۶

[۲] شاہد پرویز، سید، احتساب کا فقدان، روزنامہ "جنگ" لاہور، ۲۶ جون ۱۹۹۲ء

با اختیار اور موثر بنایا جائے۔ حکمران طبقے کو جرم ثابت ہونے پر انھیں سزا دینے کے اختیارات وفاقی محتسب کو حاصل ہونے چاہیں لیکن پورے ملک کے عوام کی شکایات سننے اور ان کے ازالے کے احکامات صادر کرنے کے لئے صرف وفاقی ادارہ ناکافی ہے تمام صوبوں میں صوبائی محتسب کا ایک ایک ادارہ ہونا چاہیے۔ یہ ادارہ غیر جانبدار اور غیر سیاسی ہونا چاہیے۔ محکمہ احتساب کے اختیارات اتنے ہوں کہ اگر کوئی عدالت لاعلمی، کوتاہی، غفلت، بے توجہی اور نالائقی کی وجہ سے خلاف شریعت فیصلہ دے تو اس پر بھی اپنی رائے دے سکے۔ اگر ایسا ادارہ قائم ہو جائے تو قوانین اسلام کا موثر نفاذ ہو سکتا ہے۔

۵۔ حکام اعلیٰ عدالت کو جوابدہ ہوں

اسلامی نظام عدل کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ قانون اسلامی کے سامنے امیر و غریب، بادشاہ و فقیر اور آجر و اجیر برابر ہیں۔ اس بات کو اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی واضح کیا ہے۔ کونسل نے آئینی اصلاحات کے بارے جو جامع رپورٹ تیار کی اس میں آئین ۱۹۷۳ کے آرٹیکل ۲۴۸ کو قطعی غیر اسلامی قرار دیا ہے اس آرٹیکل کے تحت صدر اور گورنر اپنے اعمال کے لئے کسی عدالت کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ کونسل نے قرار دیا ہے کہ اسلام کے نمایاں ترین اصولوں میں سے ایک اصول جس کا ذکر مسلمان ہمیشہ بڑے فخر سے کرتے ہیں، قانون کی نظر میں سب کا برابر ہونا ہے۔ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے اسلامی قانون حاکم اور محکوم میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ اسلامی نظام کے تحت ہر شخص اپنے اعمال کے لئے عدالت اور قانون کے سامنے جواب دہ ہے۔[1]

۶۔ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی

مجسٹریٹوں کو بہت زیادہ انتظامی فرائض تفویض کئے جانے کے سبب مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہو جاتی ہے اس کے لئے ایک دن میں پندرہ سے بیس تک مقدمات سننے ممکن نہیں۔ بعض اوقات جیسے جلوسوں کو کنٹرول کرنے اور دیگر انتظامی فرائض کے سلسلہ میں اسے دن بھر عدالت سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ اس تاخیر کو دور کرنے کا حل یہ ہے کہ فوری طور پر عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا جائے۔ عالمگیر کے دور میں عدلیہ انتظامیہ سے الگ تھی۔

---

[1] روزنامہ "جنگ" لاہور ۲۲ مئی ۱۹۹۴ء

۷۔ عمومی تجاویز

i۔ پاکستان کے آئین میں ایک اصول یہ رکھا گیا ہے کہ عدالت کی طرف سے دی گئی سزاؤں کو صدر مملکت اور گورنر معاف کرسکتے ہیں یا سزاؤں میں تخفیف کرسکتے ہیں۔ یہ بات اسلامی نظامِ عدل کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا قانون کے اس سقم کو دور کیا جائے۔ صدر اور گورنر سے سزا معاف کرنے کے اختیارات واپس لیے جائیں۔

ii۔ ایک اور اہم تقاضا مقدمات کو بلا تاخیر نبٹانے کا ہے۔ تاخیر سے فیصلے دراصل انصاف دینے سے انکار کے مترادف ہے۔ شروع اسلام میں تحریری دعوؤں کا رواج نہ تھا۔ دونوں فریقوں سے زبانی سن کر ایک آدھ پیشی پر فیصلہ کر دیا جاتا۔ آجکل کے دور میں ضابطوں پر تو زور ہے مگر مقدمات نسل در نسل چلتے رہتے ہیں۔ اس تاخیر کو ختم کرنے کے لئے مقدمات کی مختلف کیٹیگریاں بنا کر مقدمات کے طے کرنے کی مدت کا تعین کیا جائے۔[1] عدالتوں میں مفت انصاف مہیا کرنے کے لئے کورٹ فیس ختم کی جائے۔

iii۔ وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل نے نفاذ شریعت کے لئے جو سفارشات حکومت کو پیش کی ہیں اُن پر عمل درآمد کیا جائے۔ سود کے خاتمے کے لئے وفاقی شرعی عدالت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے سود کی لعنت کو ختم کیا جائے۔

iv۔ ملک میں قاضی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ قاضیوں کو ابتداً مسلم پرسنل لاء کے مقدمات تفویض کئے جائیں ازاں بعد تعزیرات، حدود اور دیگر فوجداری مقدمات کی سماعت کا اختیار بھی قاضیوں کے سپرد کیا جائے۔[2]

v۔ عدالت کا جج اگر رشوت لیکر یا جانبداری سے فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ کالعدم قرار دیا جائے۔ رشوت لینے والے حکام کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ رشوت بھی فیصلوں میں تاخیر کا سبب بنتی ہے۔ ججوں کی کمی پوری کی جائے۔

vi۔ سیاسی بنیادوں پر ججوں کی تقرری نہ کی جائے بلکہ اہلیت، تقویٰ اور بلندی کردار کی بنا پر ججوں کی تقرری کی جائے۔

vii۔ لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس گل زرین خان نے سیاسی انتقام کے طور پر سرکاری ملازمین کے تبادلوں پر اظہار تشویش کرکے ایسے ملازمین کے تبادلوں کے سلسلہ میں انصاف مہیا کرنے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے کیونکہ شرائط ملازمت سے متعلق معاملات سروسز ٹربیونل کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ آرٹیکل نمبر ۲۱۲ کے تحت عدالت اُن کے لئے کچھ نہیں کرسکتی۔[3] ایسے تبادلوں کو روکنے کے لئے ججوں کو اختیارات دیئے جائیں یا پھر سروسز ٹربیونلز کے بینچ ہر ضلع میں قائم کئے جائیں تاکہ ملازموں کو حصولِ انصاف میں آسانی ہو۔

۱۔ گل محمد خان سابق چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت، اسلامی مملکت میں عدالت کا تصور، منہاج، جنوری اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۵

۲۔ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، مئی ۱۹۸۴ء

۳۔ اداریہ روزنامہ "جنگ" لاہور، ۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء

مصادر و مراجع

عربی کتب

۱۔ القرآن العظیم

۲۔ ابن الاثیر: علی بن محمد (۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۳ء

۳۔ ابن بطوطہ: ابوعبداللہ محمد بن محمد طنجی (۷۵۶ھ) رحلۃ ابن بطوطہ، دار صادر، دار بیروت، ۱۳۸۴ھ

۴۔ ابن خلدون: عبدالرحمن بن محمد (۸۰۳ھ) مقدمہ، مکتبۃ الہلال، بیروت، ۱۹۸۳ء

۵۔ ابن سعد: ابوعبداللہ محمد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت (س۔ن)

۶۔ ابن عبد ربہ: احمد بن محمد (۳۲۸ھ) العقد الفرید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۳ء

۷۔ ابن عرنوس: محمود بن محمد، تاریخ القضاء فی الاسلام، المطبعۃ المصریہ قاہرہ، ۱۹۳۴ء

۸۔ ابن قتیبہ: عبداللہ بن مسلم (۲۷۶ھ) الامامۃ والسیاسۃ، دار المعرفۃ بیروت (س۔ن)

۹۔ ابن کثیر: اسماعیل بن عمر (۷۷۴ھ) البدایہ والنہایہ، مکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۰۔ ابن ماجہ: ابوعبداللہ محمد بن یزید (۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی (س۔ن)

۱۱۔ ابن منظور: جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ

۱۲۔ ابن ہشام: محمد عبدالملک بن ہشام (۲۱۳ھ) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر، بیروت ۱۹۳۷ء

۱۳۔ ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث (۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۲ھ

۱۴۔ ابویوسف: یعقوب بن ابراہیم (۱۸۲ھ) کتاب الخراج، مکتبۃ السلفیۃ قاہرہ، ۱۳۴۶ھ

۱۵۔ احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) المسند، مکتبۃ اسلامی بیروت (س۔ن)

۱۶۔ احمد بن شعیب، سنن نسائی، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی، ۱۳۵۰ھ

۱۷۔ احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، مکتب الاعلام الاسلامی، تہران، ۱۴۰۴ھ

۱۸۔ پانی پتی: ثناء اللہ، قاضی، تفسیر مظہری، اشاعت العلوم حیدرآباد دکن (س۔ن)

۱۹. الترمذی: ابوعیسیٰ محمد (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۵ء

۲۰. الجاحظ: ابوعثمان عمرو بن بحر، البیان والتبیین، بیروت (س۔ن)

۲۱. الجوہری: ابونصر اسماعیل بن حماد (۳۹۵ھ) تاج اللغۃ، صحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، بیروت ۱۳۹۹ھ

۲۲. الخطیب بغدادی: ابوبکر احمد بن علی (۴۶۳ھ) تاریخ بغداد، المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ (س۔ن)

۲۳. الراغب اصفہانی: حسین بن محمد (۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن، قدیمی کتب خانہ کراچی (س۔ن)

۲۴. الزبیدی: محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس، مطبعۃ الحکومیۃ الکویت، ۱۹۶۵ء

۲۵. السرخسی: ابوبکر محمد بن احمد، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ، مصر (س۔ن)

۲۶. السیوطی: جلال الدین، تاریخ الخلفاء، کارخانہ تجارت کتب کراچی (س۔ن)

۲۷. ۔۔۔ الدر المنثور، مکتبہ آیۃ اللہ، قم ایران، ۱۴۰۱ھ

۲۸. شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، المکتبۃ السلفیۃ لاہور (س۔ن)

۲۹. الطبری: ابوجعفر محمد بن جریر (۳۱۰ھ) تاریخ الامم والملوک المعروف بتاریخ طبری، دار المعارف مصر ۱۹۶۲ء

۳۰. عمر فروخ، تاریخ الادب العربی، العصر العباسیہ، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۰ء

۳۱. فتاویٰ عالمگیری، نورانی کتب خانہ، قصہ خوانی پشاور (س۔ن)

۳۲. فیروز آبادی: محمد بن یعقوب (۸۱۷ھ) القاموس المحیط، دار الجیل، بیروت، ۱۹۵۲ء

۳۳. الکاسانی: علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۱۰ء

۳۴. الماوردی: علی بن محمد بن حبیب (۴۵۰ھ) الاحکام السلطانیہ، مکتبہ حلبی، مصر، ۱۹۶۶ء

۳۵. محمد امین، الشیخ، رد المحتار علی الدر المختار، مکتبہ مصطفیٰ، مصر، ۱۳۸۶ھ

۳۶. محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۶۱ء

۳۷. محمد بن مسلم، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶ء

۳۸. محمد فؤاد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۲۷۸ھ

۳۹۔ المسعودی: ابوالحسین علی بن الحسین (۳۴۶ھ) مروج الذھب، دارالاندلس، بیروت، ۱۹۶۵ء

۴۰۔ الوجدی: محمد فرید، دائرۃ المعارف قرن العشرین، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء

۴۱۔ وکیع: محمد بن خلف (۳۰۶ھ) اخبار القضاۃ، عالم الکتب، بیروت (س۔ن)

۴۲۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، دار صادر، دار بیروت، ۱۹۷۹ء

فارسی کتب

۱۔ ابوالفضل، آئین اکبری، ایک قدیم نسخہ جس کے آغاز و آخر کے چند اوراق پھٹے ہیں۔ یہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور بکس ۹۵۴/۶۵۲۳۳ الف۔ آئین کے تحت موجود ہے۔

۲۔ بدایونی: عبدالقادر، منتخب التواریخ، نول کشور لکھنؤ، بھارت (س۔ن)

۳۔ برنی: ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۴۔ خافی خان: محمد ہاشم خان، منتخب اللباب، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، ۱۸۶۹ء

۵۔ عبداللہ، تاریخ داؤدی بتصحیح شیخ عبدالرشید مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۵۴ء

۶۔ علی محمد خان، مرآت احمدی بتصحیح نواب علی خان، بروڈہ، انڈیا (س۔ن)

۷۔ لاہوری: عبدالحمید، بادشاہ نامہ بتصحیح مولوی کبیر الدین و مولوی عبدالرحیم ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، ۱۸۶۸ء

۸۔ محمد بختاور خان، مرآۃ العالم تاریخ اورنگ زیب، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۹ء

۹۔ محمد ساقی: مستعد خان، مآثر عالمگیری، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ بنگال ۱۸۷۱ء

۱۰۔ محمد کاظم، عالمگیر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ بنگال ۱۸۶۸ء

اردو کتب

۰۱ ابن حسن، خلیہ سلطنت کی ہیئت مرکزی (ترجمہ عبدالغنی نیازی) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ء

۰۲ ابن الطلاع: محمد بن الفرج، اقضیۃ الرسول (تدوین وتحقیق ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن اعظمی)

ترجمہ ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۸۷ء

۳۔ احمد یادگار، تاریخ شاہی (ترجمہ نذیر احمد نیازی) مرکزی اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۵ء

۴۔ اصلاحی: امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۵ء

۰۵ اکبر آبادی: سعید احمد، مسلمانوں کا عروج وزوال، ادارہ اسلامیات لاہور (س ن)

۰۶ بابر: ظہیر الدین، تزک بابری (ترجمہ رشید اختر ندوی) سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۹ء

۰۷ بدایونی: عبدالقادر ملوک شاہ، منتخب التواریخ (ترجمہ محمود احمد فاروقی) شیخ غلام علی

اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء

۰۸ برنی: ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی (ترجمہ معین الحق) اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۳ء

۹۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر پاک وہند میں علم فقہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

۱۰۔ پانی پتی: ثناء اللہ، تفسیر مظہری (ترجمہ عبدالدائم جلالی) ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۸۰ء

۱۱۔ پرویز: غلام احمد، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام لاہور، ۱۹۶۱ء

۰۱۲ جالبی: محمد جمیل، ڈاکٹر، برصغیر میں اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۵ء

۰۱۳ جوہرد، عبدالجبار، ہارون الرشید (ترجمہ رئیس احمد جعفری) مقبول اکیڈیمی لاہور، ۱۹۷۰ء

۱۴۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر، النظم الاسلامیہ (ترجمہ محمد علیم اللہ صدیقی) شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور (س ن)

۰۱۵ خافی خان: محمد ہاشم، منتخب اللباب (ترجمہ محمود احمد فاروقی) نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۷۶ء

۰۱۶ خصاف: احمد بن عمر، شرح ادب القاضی (ترجمہ سعید احمد) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۸۷ء

۱۷. ریاض الاسلام، ڈاکٹر، تاریخ سلطنت دہلی، یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۵۴ء

۱۸. سعدی سنگروری، اورنگ زیب عالمگیر، مکتبہ پاکستان چوک انارکلی لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۹. سیکینہ پرشاد، تاریخ شاہ جہان (ترجمہ ڈاکٹر اعجاز حسین) پروگریسو بکس اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء

۲۰. شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء (ترجمہ اشتیاق حسین قریشی) قدیمی کتب خانہ، کراچی (س۔ن)

۲۱. شبلی نعمانی، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، محمد دین اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور (س۔ن)

۲۲. از الفاروق، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۶۹ء

۲۳. صباح الدین، عبدالرحمن، بزم تیموریہ، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء

۲۴. صدیقی، عرفان حسن، عدل، ادارہ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۳ء

۲۵. صدیقی، محمد عبدالحفیظ، برصغیر پاک وھند میں اسلامی نظام عدل گستری، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۶۹

۲۶. صفدر محمود، ڈاکٹر، آئین پاکستان، جنگ پبلشرز، لاہور، 1991

۲۷. صمصام الدولہ، شاہ نواز خان، مآثر الامرا (ترجمہ محمد ایوب قادری) مرکزی اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۷۰ء

۲۸. عبدالحی، اسلامی علوم و فنون ھندوستان میں، اعظم گڑھ، ۱۹۶۹ء

۲۹. عثمانی: یعقوب الرحمن، اسلام کا نظام سیاست و عدالت، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد، دکن، ۱۹۴۷ء

۳۰. عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر (ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء

۳۱. فتاوی عالمگیری (ترجمہ سید امیر علی) نول کشور لکھنؤ، بھارت، ۱۹۳۲ء

۳۲. فرید آبادی: سید ہاشمی، محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۸۹ء

۳۳. قادری: شمیم حسین، اسلامی ریاست، علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۴۰۴ھ

۳۴. قاسمی، مجاہد الاسلام، اسلامی عدالت، فیمس بکس، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۵. ماوردی، علی بن محمد، احکام السلطانیہ، ترجمہ محمد ابراہیم ایم۔ اے، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ۱۹۸۸ء

۳۶. محمد اسلم، میاں، تگ و تاز، مکتبہ نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء

۳۷. محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۸ء

۳۸. محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (ترجمہ عبد الحکیم اختر شاہ جہان پوری) حامد اینڈ کمپنی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۴ء

۳۹. محمد حسن، مرآۃ احمدی (ترجمہ رضی الحق بنام آئینہ گجرات) علمی پریس بمبئی، ۱۳۲۴ھ

۴۰. محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ

۴۱. ۔۔۔۔۔۔۔۔ ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء

۴۲. محمد سعد اللہ، نفاذ شریعت میں تدریج، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۳ء

۴۳. محمد سعید میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، کتب خانہ رشیدیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء

۴۴. محمد شریف سیالوی، پروفیسر، محمد سلیم، ڈاکٹر، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نظام امن و اصلاح مصطفیٰ، ایجوکیشنل سوسائٹی ملتان، ۱۹۹۲ء

۴۵. محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹ھ

۴۶. ۔۔۔۔۔۔۔۔ ، مقالات، مکتبہ چشتیہ غوثیہ منڈی بہاء الدین، ۱۴۰۲ھ

۴۷. مودودی: ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۹ء

۴۸. ندوی: ابو الحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۴ء

۴۹. ندوی: رشید اختر، اورنگ زیب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء

۵۰. ۔۔۔۔۔۔۔۔ ، تہذیب و تمدن اسلام، ادارہ ثقافت اسلام، لاہور، ۱۹۵۳ء

۵۱. ندوی: عبد السلام، اسلام کا عدالتی نظام، آئینہ ادب، انارکلی، لاہور، ۱۹۷۷ء

۵۲. ندوی: مجیب اللہ، مولوی، فتاوی عالمگیری کے مؤلفین، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۸۸ء

۵۳. ہاشمی: محمد متین، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۸۸ء

۵۴. ۔۔۔۔۔۔۔۔ ، اسلامی نظام عدل کا نفاذ، مشکلات اور ان کا حل، دیال سنگھ لائبریری، لاہور (س ن)

دائرہ معارف اسلامیہ

۱. دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ج ۹، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۸ء
۲. ،، ج ۱۵ ،، ۱۹۸۵ء
۳. ،، ج ۲۰ ،، ۱۹۸۴ء

رسائل وجرائد

۱. البصیر، عالمگیر نمبر، اسلامیہ کالج چنیوٹ، مئی ۱۹۶۲ء
۲. فکر و نظر، نفاذ شریعت نمبر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ج ۲۰، ش ۹-۱۰، مارچ اپریل ۱۹۸۳ء
۳. منہاج، اسلامی نظام عدل نمبر، حصہ دوم، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ج ۲ شمارہ ۱، جنوری ۱۹۸۴ء
۴. ،، نفاذ شریعت نمبر، ج ۹، شمارہ ۱-۲، جنوری-اپریل ۱۹۹۱ء
۵. نقوش، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ج ۱۱، شمارہ ۱۳۰، ۱۹۸۵
۶. ،، ج ۱۳
7. Medieval India, A Miscellany, Centre of Advanced Study, Aligarh University, Asia Publishing House, London, 1969

اخبارات

۱. روزنامہ "پاکستان" لاہور، ۲۵ جنوری ۱۹۹۳ء
۲. روزنامہ "جنگ" لاہور، ۲۲ مئی ۱۹۹۲ء

۳۔ روزنامہ "جنگ" لاہور، شاہد پرویز، سید، احتساب کا فقدان، ۲۶ جون ۱۹۹۴ء

۴۔ ii۔ اداریہ، ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء

۵۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، منیر احمد مغل، ڈاکٹر، اسلامی نظام کی خصوصیات، ۲۷ مئی ۱۹۹۲ء

۶۔ ii۔ میاں عبدالرشید، نورِ بصیرت، مورخہ ۳ جنوری ۱۹۹۳ء

۷۔ iii۔ نیازی، عبدالستار، مولانا، اسلامی عالمی نظام کی ضرورت، ۲ فروری ۹۳ء

۸۔ iv۔ منظور قادر، ایڈووکیٹ، عدلیہ کی عظمت کو داغدار کرنے میں حکمرانوں کا کردار، ۲۷ جولائی ۱۹۹۴ء

رپورٹ

۱۔ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، مئی ۱۹۸۴ء

English Books

1. Abu-l-Fazl, The Akbar Nama, tr. by H. Beveridge, Book Trader, Lahore, (N.D.)

2. Aemer Raza Khan, Code of Civil Procedure Kausar 1-Turner Road Lahore

3. Ahmed Hassan, The early development of Islamic Jurisprudence, Islamic Research Institute, Islamabad, 1988

4. Ameer Ali, Syed, History of saracenes, Islamic book service Urdu Bazar, Lahore (N

5. Asif Saeed Khosa, The constitution of Pakistan, 1973, Kausar brothers, Lahore, 90

6. Bernier Francois, Travels in the Mughal Empire (1656-68) tr by Archibald Constable, Oxford University Press, Bombay, 1934

7. Day, U.N. The Mughal Government (1556-1707) Munshiram Monohar Lal, 1969

8. Dow, Kolonal, The History of Hindustan, Jhon murray Street, London, 1792

9. Ibn Hassan, The central structure of the Mughal Empire, Oxford University Press, Bombay, 1936

10. Khosala, R.P. Administrative structure of the great Mughals, Kante Publishers Delhi 1991

11. Lanepoole stanely, Aurangzib, Oxford University Press, Bombay, 1930

12. Leat De and Banneiji, The Empire of great Mogol. tr. by J.S. Hoyland, Bombay, 1928

13. Mahajan V.D. and R.R. Sethi, Mughal Rule in India, S. Chand and Co. Delhi, 1962

14. Manrique, Travels of Fray sebastien, Oxford Hahlyut Society, 1927

15. Manucci Niccolao, Storia Do Mogor (1653-1708) tr. by William Irvine Jhon Murray street, London, 1907

16. Muhammad Akbar, Administration of justice by the mughals, Kashmiri Bazar, Lahore, 1948

17. Muhammad Bashir Ahmed, The Administration of justice in Medieval India, The Aligarh Historical Research Institute, Aligarh, 1949

18. ii. Judicial system of Mughal Empire, Pakistan Historical Society, Karachi, 1978

19. Muhammad Ikram, Shiekh, History of Muslim civilization in India and Pakistan, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1989

20. Muhammad Ullah, Administration of justice in Islam, Law Publishing Company, Lahore (N.D.)

21. Ovington, Voyage to Surat, Associated Publishing New Delhi, 1984

22. Qureshi, Ishtiaq Hussain, Administration of Mughal Empire, University of Karachi, 1966

23. Qureshi, I. H. The Administration of sultanate of Delhi, Sh. Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore, 1942

24. Sarkar, Jadu Nath, The Anecdotes of Aurangzib, M.C. Sarkar and Sons Private Ltd Calcutta, 1963

25. ii. Mughal Administration, M.C. Sarkar and Sons Private Ltd. Calcutta, 1924

26. Sharma, Sri Ram, Mughal Government and Administration, Hind Kitab Limited Bombay (N.D.)

27. ii. The Religious Policy of The Mughals Emperors, Oxford University Press Calcutta, 1940

28. Saeed Ahmed Khosa, The Constitution of Pakistan, 1973, Turner Road Lahore, 1990

29. Saksena: Banarsi Pershad, History of Shah Jahan of Delhi Book Traders Lahor (N.D.)

30. Saran, Parmatma, Dr. The Provincial Government of the Mughal (1526-1658) Faran Academy, Lahore, 1976

31. Wahed Hussain, Administration of justice during The Muslim Rule in India, University of Calcutta, 1934

32. Zafar M.A. The Pakistan Penal Code, 1860, Turner Road Lahore (N.D)

Finished with the help of Allah, The Merciful.